انقلاب آفریں تقریریں

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

شاہد حسن تابش جہاں آبادی

Scanned by CamScanner

انقلاب آفریں

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

تقریریں

تالیف

شاہد حسن تابش جہاں آبادی
متعلم دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند

ناشر
انجمن نادیۃ الادب طلبہ ضلع جہاں آباد و عظیم آباد (بہار) دارالعلوم دیوبند

Scanned by CamScanner

انقلاب آفریں تقریریں

جُملہ حُقُوق مَحفُوظ

نام کتاب : ———— انقلاب آفریں تقریریں
مؤلف : ———— شاہد حسن تابش جہاں آبادی
کاتب : ———— طارق ابن ثاقب ۔ الایمان منزل دیوبند
طابع : ———— ثمر آفسیٹ پریس ۔ دہلی ۔
ناشر : ———— انجمن نادیۃ الادب ضلع جہاں آباد وعظیم آباد (بہار) دار العلوم دیوبند
صفحات : ———— ۶۴ ۔ چونسٹھ ۔
قیمت : ———— ۱۵/= دس روپے
باہتمام : ———— محمد صہیب

فہرست

(۱) پیغمبر انقلاب اور گردش دوراں (۲) جنگ آزادی اور علماء ہند
(۳) دار العلوم نے دنیا کو کیا دیا
(۴) فاتح بیت المقدس، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ
(۵) اسلام اور عظمتِ نسواں

ملنے کا پتہ
فیصل پبلیکشنز جامع مسجد دیوبند پن کوڈ ۲۴۷۵۵۴

انقلاب آفریں تقریریں

تعارف ــــــ از پرویز عالم جہان آبادی

تقریر و خطابت کی اہمیت، افادیت اور ضرورت تو ہر دور میں رہی ہے، مگر موجودہ دور میں کئی گنا زیادہ ہوگئی ہے، اسی وجہ سے مبتدی طلبہ میں اس کا ذوق و شوق، اور اس صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف موضوعات نئے نئے عنوانات پر مقابلے کرائے جاتے ہیں ـــ برادرم شاھد حسن جن کو خداوند قدوس نے علمی صلاحیت ولیاقت کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا صحیح ذوق اور تحریر و تقریر کا خاصہ ملکہ عطا کیا ہے، یہ شروع سے ہی ان پروگراموں میں دلچسپی اور حصہ لیتے رہے ہیں، زیر نظر مجموعہ اس کا شاندار مظہر اور بیّن ثبوت ہے. جامعۃ الرشاد اور دارالعلوم کی علمی و ادبی فضاؤں نے انکے ذوق و شوق کو مزید حوصلہ بخشا، چنانچہ دارالعلوم کی مشہور و معروف انجمن سجاد لائبریری کے تحت ہونے والے انعامی مقابلوں میں موصوف نے برابر حصہ لیا. اور طلبہ کے درمیان دارالحدیث کے وسیع ہال میں ان کو بارہا تقریر کرنیکے مواقع ملے اس مجموعہ میں وہی مقبول اور یادگار تقریریں شامل ہیں. ان تقریروں کی مقبولیت اور عمدگی کیلئے صرف اتنا کافی ہے کہ موصوف جب یہ تقریریں کر رہے تھے تو دارالحدیث کا وسیع ہال اور اس کی گیلریاں باوجود اپنی وسعت وکشادگی کے تنگ نظر آرہی تھیں، تقریر کے درمیان ایک عجیب سماں اور منظر تھا جسے لفظوں میں نہیں بیان کیا جاسکتا.

دوستوں کے مسلسل اصرار اور بازار میں ان نئے اور اہم موضوعات پر رسالے نہ ہونے کی وجہ سے راقم الحروف نے بھی مشورہ دیا کہ ان تقریروں کو کتابی شکل دیکر افادۂ عام کیلئے بازار میں لایا جائے، اب کتاب وطباعت کے دشوار گزار مراحل سے گزر کر آپکے ہاتھوں میں ہے ان تقریروں میں جہاں دعوتی و دفاعی انداز نظر آتا ہے وہیں فن و ادب کی رعنائیاں بھی دکھلائی دیتی ہیں. نیز تاریخی دستاویزات بھی شامل کئے گئے ہیں جسطرح یہ مبتدی اور نو آموز مقررین کے لیے ممدّ و معاون بن سکتی ہیں اسی طرح عوام الناس اور تاریخ سے ناواقفوں کے لیے بصیرت اور چشم کشائی کا کام انجام دے سکتی ہیں.

Scanned by CamScanner

اپنی بات

خداوند قدوس کا ہزار احسان اور بے پایاں کرم ہے کہ اس نے ہماری دو سالہ آرزو و تمنا کو ایک خارجی شکل عطا فرمادی اور اسے آپکے سامنے پیش کرنے کی توفیق بخشی، اس کتابچہ کے اندر کیا ہے؟ تو اسکا فیصلہ آپ حضرات ہی بہتر طور پر فرمائیں گے، ویسے میں ادیب ہوں نہ خطیب اور نہ مجھے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا موقع میسّر ہوا ہے بلکہ یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے جسمیں فکری لغزش یا لسانی خامی کا ہونا مستبعد نہیں ہے —— تاہم میں نے اپنے تئیں ہر ممکن کوشش کی ہے کہ لفظی و معنوی اغلاط رہنے نہ پائیں اور اس سلسلہ میں پیکرِ خلوص برادرِ گرامی قدر حضرت مولانا خورشید انور صاحب گیاوی[1] اور خصوصًا سراپا اخلاص حضرت مولانا کفیل احمد صاحب علوی ایڈیٹر آئینۂ دارالعلوم سے بارہا مراجعت کی ہے اور ان پیکرانِ خلوص و وفا نے بڑی شفقت و محبّت سے قدم قدم پر راہنمائی و دستگیری فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میر کاروانِ صدق وصفا کے سائے کو تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین۔

اور، نہ جانے کیوں آج مجھے ان یارانِ باصفا کی یاد بڑی شدّت سے آرہی ہے جو ایک طویل مدّت سے میری خوشی سے زیادہ میرے غم میں شریک رہے ہیں، لہٰذا اگر میں اپنی اس خوشی میں انھیں شریک نہ کروں تو دنیا مجھے ابن الوقت اور بے وفا کے نام سے یاد کرے گی۔

ان اخوانِ باصفا کے اسماءِ گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

• حشمت علی جہاں آبادی • نوشاد عالم جہاں آبادی • شاکر حسین جہاں آبادی • پرویز عالم جہاں آبادی • حفظ الرحمٰن جہاں آبادی • سیف الاسلام جہاں آبادی • اعجاز احمد عظیم آبادی • محمد مرتضیٰ عظیم آبادی • کاشف رئیس بھوجپوری • غلام سرور روہتاسی • عبدالقیوم سنگھ بھومی • بدرالدین چمپارنی • محمد عاصم بھاگلپوری • محمد کوثر الاسلام بھاگلپوری • محمد نجم الدین بھاگلپوری

والسلام: —————— شاھد حسن جہاں آبادی
متعلم دارالعلوم دیوبند
9/1/91

[1] مدرس دارالعلوم دیوبند

علامتی توضیحات

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جہاں ایک کامیاب مقرر کے لیے دلِ دردمند وسعتِ مطالعہ، اور الفاظ کی فراوانی لازمی ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مواقع مدّوجزر سے بھی واقف ہو ورنہ تمام خصوصیتوں کے باوجود بعض حضرات سے طرح طرح کی مضحکہ خیز حرکتیں سرزد ہونے لگتی ہیں۔

بعض حضرات تو نحمدہٗ ونصلّی ہی سے وہ شور و ہنگامہ بپا کرتے ہیں کہ الامان و الحفیظ۔ اجنبی سامعین دم بخود ہو کر کہنے لگتے ہیں ع یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔

اور بعض حضرات اِلاَّ الْبَلَاغ تک خود ہی کہتے ہیں اور خود ہی سُنتے ہیں۔

لہٰذا اس طرح کی خامیوں سے بچنے کے لیے میں نے چند علامتیں مقرر کر دی ہیں تاکہ مجھ جیسے لوگوں کی کچھ راہنمائی ہو سکے اور وہ یہ ہیں۔

^ :- اس علامت کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے آواز میں بلندی آنی چاہیئے۔

< :- اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے آواز میں بلندی کے ساتھ رفتار میں تیزی آنی چاہیئے۔

> :- اس جگہ سے آواز میں نرمی آنی چاہیئے۔

• :- اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ماقبل کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے۔ اب آگے اپنے ذوق کے مطابق بلندی یا نرمی پیدا کیجیے۔

مؤلّف

Scanned by CamScanner

حمد

طارق ابنِ ثاقب

زمیں کے ذرّۂ ناچیز میں منوّر تو — نجوم و شمس و قمر کہکشاں کے اندر تو
ترے وجود کی تشریح ماورائے شعور — ہر ایک بندشِ لفظ و بیاں سے باہر تو
ترے وجود کے پرتو کا اک شناور میں — جو تحت و فوق پہ حاوی ہے وہ سمندر تو
طلب کی منزلِ مقصود ہے ترا ہی وجود — تصوّراتِ حقیقت کا ایک محور تو
وفا شناس نگا ہوں کو یہ بھی کافی ہے — کہ جلتے بجھتے حسیں قمقموں کا منظر تو
گلوں سے پھوٹتی خوشبو حسیں دلیل تری — ہر ایک قید سے آزاد ہے معطّر تو
عدم سے کرتا ہے الفاظ کا زباں پہ ورُود — سخنوری کا معلّم —— بڑا سخنور تو
یوں کھول دیتا ہے انسان پر درِ ادراک — اُتار دیتا ہے جیسے خرد کا لشکر تو
ھنر تمام ہیں اظہار تیرے مظہر کا — وجودِ اہلِ ہُنر کا ہے خود ھُنرور تو
نگار خانۂ ہستی کا خالق و صانع — مکینِ قریۂ امکاں کا ربِّ اکبر تو
یہ کائنات تھی ظلم و ستم کا گہوارہ — دکھانے والا اسے امن کا پیمبر تو
خراج تیری عنایات کا میں پیش کروں؟ — میں تیرا بندۂ عاجز ہوں بندہ پرور تو

تری ثنا سے ہے قاصر شعورِ فہم و خرد
متاعِ لوح و قلم کا ہے خود ہی مصدر تو

Scanned by CamScanner

صورتِ فرعون یا شکلِ نفاقِ سامری
گردشِ دوراں در پیغمبری تک آ ئیگی
(طارق ابنِ ثاقب)

پیغمبرِ انقلاب

اور

گردشِ دوراں

یہ تقریر سنہ ۱۴۱۰ھ میں بزمِ سجّاد کے اختتامی انعامی اجلاس (بمقام دارالحدیث تحتانی) میں کی گئی جلسہ کی صدارت مولانا قطب الدّین صاحب استاذ مظاہر علوم نے فرمائی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ـــــــ اَمَّا بَعْدُ !
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۔ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۔ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُخَافُ اَحَدٌ ۔ وَلَقَدْ اُوْذِیْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَا یُوْذٰی اَحَدٌ اَلْحَدِیْثَ ـــــــ (اَوْ کَمَا قَال)

گوشہ گوشہ دنیا کا تھا خزاں کا گہوارہ
ساتھ میرے آقا کے دائمی بہار آئی
لفظ ہے حسیں کتنا کہہ رہے ہو گُل جس کو
خوشبوئے محمدؐ ہے اور خدا کی رعنائی

(طارق ابنِ ثاقب)

معزز سامعین اور صدرِ محترم!!
آج میں آپ لوگوں کے سامنے اس جلیل القدر، عظیم المرتبت اور رفیع الشان ہستی کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جو اگر ایک طرف تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا ہمدرد، سب سے بڑا غمخوار اور سب سے عظیم محسن ہے تو دوسری طرف تاریخِ ظلم و جور کا سب سے زیادہ ستم زدہ، سب سے زیادہ مظلوم و مکروب بھی ہے ـــ ہاں، آج میں اس محسنِ اعظم کی داستانِ دلگداز اور قصہ

Scanned by CamScanner

دلنواز سناؤں گا۔

حضرات! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عالمِ انسانیت سسک رہا تھا، گلشنِ ارضی ماتم کدہ بنا ہوا تھا، فضائے کائنات پر ظلم و عدوان کی تیرہ و تار گھٹاؤں کی حکمرانی تھی، ہر طرف ظلم و جور اور جبر و تشدّد کی تند و تیز ہوائیں چل رہی تھیں، ہر سمت نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے، کمزوروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کیا جا رہا تھا، مظلوم عورتوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا جا رہا تھا، غرضیکہ انسان وحشی و درندہ بن چکا تھا اور انسانیت تباہی و بربادی کے آخری نشان تک پہنچ چکی تھی کہ اچانک رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں اس نبیٔ اُمّی کا ظہور ہوا جو سارے جہاں کا درد اپنے دل میں سمیٹے ہوئے تھا جو۔ ع۔ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ" ـــ کا حقیقی مصداق تھا، جو انسانیت کا غم خوار، مظلوموں کا مددگار تھا، یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ تھا ـــ چنانچہ اس ذات مقدّس نے ان تمام ظلم و ستم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، انسانوں کو صحیح راہ دکھانے کی کوشش کی انھیں ضلالت کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لا کھڑا کیا، زنجیرِ غلامی میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی فضا بخشی، معصوم کلیوں کو مسکرانے کا حق عطا کیا، مظلوم عورتوں کو باعزّت مقام دیا، بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی اور تڑپتی ہوئی انسانیت کی مسیحائی کی،

۷:- حضرات! ایسی عظیم ہستی، ایسی مقدّس ہستی، ایسی بابرکت ہستی

Scanned by CamScanner

ایسی پاکیزہ ہستی تو اس قابل تھی کہ اُسے سینے سے لگایا جاتا، اسے پلکوں پہ بٹھایا جاتا، اس کے پاکیزہ جذبات کا احترام کیا جاتا، اس کے مقدس پیغام کو سمجھا جاتا، اس کی بے چینی اور تڑپ کو محسوس کیا جاتا ——— مگر یہ خود غرض دنیا، انسانیت کی دشمن دنیا، ظلمت کی پرستار دنیا، وحشت و بربریت کی ماری ہوئی دنیا، انسانیت و شرافت کی قاتل دنیا یہ کیونکر برداشت کرسکتی تھی، اسے کیوں کر صبر و شکیبائی حاصل ہو سکتی تھی ——— چنانچہ یہ چرخِ نیلی فام اس بات پر شاہد و عادل ہے کہ جب وہ عالم کا مسیحا، انسانیت کا غم خوار، مظلوموں کا مددگار، بے سہاروں کا آسرا، یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا اس جہانِ رنگ و بو میں جلوہ گر ہوا، اسی دم ظلم و جور اور جبر و تشدّد کی آندھیاں چلنے لگیں، بغض و عداوت کی تیرہ و تار گھٹائیں چھانے لگیں، نفرت و تعصّب کے شعلے بھڑکنے لگے، وحشت و بربریّت کے پہاڑ توڑے جانے لگے، صلابت و سنگدلی کی انتہا ہو گئی، ستم کوشی اور احسان فراموشی کا نیا ریکارڈ قائم ہوا، یعنی لوگ اپنے محسن و مسیحا کی دل آزاری و ایذا رسانی میں مشغول ہو گئے، ان پر طرح طرح کے الزامات و اتہامات کی یورش کرنے لگے۔ اور ان کے پاکیزہ اوصاف و جذبات کو اپنی تخریبی ذہنیت کا شکار بنانا چاہا۔ ایک طرف تنہا آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی تو دوسری طرف سارے شیطانی چیلے اور طاغوتی لشکر تھے۔ یہ بد باطن کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ ہمہ دم ان کی یہی کوشش اور خواہش رہتی کہ آپ ﷺ کو کس کس طرح نقصان پہنچایا جائے اور کس کس طرح پریشان کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

۸۔ حضرات! اگر آج مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ بتاؤ "تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا ہمدرد، سب سے بڑا غم خوار کون تھا؟ کس کے سینے میں سارے جہاں کا درد بھرا ہوا تھا؟ کس نے انسانیت کو حیاتِ نو بخشی تھی؟" تو میں کہوں گا کہ وہ نبیٔ اکرم، شفیعِ اعظم، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ بتاؤ! "تاریخ ظلم و جور اور جبر و تشدّد کا سب سے زیادہ مظلوم اور سب سے زیادہ مکروب کون تھا؟ کس کو سب سے زیادہ تکلیفیں دی گئیں کس کو سب سے زیادہ اذیتیں پہنچائی گئیں؟" تو میں کہوں گا کہ وہ حضور اکرم، محسنِ اعظم، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ہمارے پاس اس کے شواہد و دلائل موجود ہیں۔ •

۷۔ حضرات! کیا یہ تاریخِ انسانی کی عجیب ستم ظریفی نہیں ہے؟ کیا یہ دامنِ انسانیت پر بدنما داغ نہیں ہے؟ کیا یہ شرافت و صداقت کا قتلِ عام نہیں ہے؟ کہ وہ ذات جو لوگوں کی ہدایت کے لیے تڑپتی رہی، لوگ اسے پتھر مارتے رہے، وہ ذات جو لوگوں کی بھلائی کے لیے اپنے وجود کو گھُلاتی رہی لوگ اسے گالیاں دیتے رہے، وہ ذات جو لوگوں کو طوقِ غلامی سے نجات دلانے کے لیے کوشاں رہی، لوگ اس کی پشت پر اونٹ کا اوجھ رکھتے رہے، وہ ذات گرامی جو ـــ لوگوں کو ظلم و جور سے نجات دینے کے لیے پریشاں رہی لوگ اُسے قید و بند کی سزائیں دیتے رہے، وہ ذات جو لوگوں کی کامیابی کے لیے دعا نیم شبی کرتی رہی لوگ اس کو قتل کرنے کے لیے گھات لگاتے رہے، وہ ذات جس نے عورتوں کو سماج میں باعزّت مقام

بخشا تھا انہی عورتوں میں سے ایک بدبخت عورت اسے زہر کھلا کر اپنے بدبختانہ کردار کا مظاہرہ کرتی رہی ______ حد ہو گئی انسانیت کی خساست ورذالت کی، احسان فراموشی وحق فراموشی کی ___ اور لاکھوں درود وسلام ہو اس محسنِ اعظم ﷺ پر جو یہ تمام کچھ سُنتا رہا، سہتا رہا اور پھر بھی ان کی کامیابی وکامرانی کے لیے تڑپتا رہا، سلگتا رہا، پگھلتا رہا۔

اور جائے صد افسوس و مقامِ حیرت وتاسّف ہے کہ آج بھی روشن خیالی کا دعویٰ کرنے والی دنیا، خود کو مہذّب کہنے والی دنیا، اپنے آپ کو ترقی یافتہ سمجھنے والی دنیا، نام نہاد وسیع المشربی کا جام پینے والی دنیا یعنی درندگی وسبعیت کو شرمندہ کرنے والی دنیا، مساوات کے نام پر نفرت کا زہر پھیلانے والی دنیا، تہذیبِ نوی کے نام پر بے حیائی و بے غیرتی کو فروغ دینے والی دنیا، روشن خیالی کے نام پر ظلمت پھیلانے والی دنیا، آزادئ نسواں وجنسی آزادی کے نام پر مہلک ایڈس پیدا کرنے والی دنیا یعنی دورِ وحشت وبربریّت کو مات دینے والی دنیا ___ بایں نجاست وغلاظت اس محسنِ اعظم ﷺ و مشفق بنی آدم ﷺ پر طرح طرح کے الزامات واتہامات کی یورش کر رہی ہے اور آپ ﷺ کی بابرکت ومقدّس ذات کو مطعون ومقذوف کرنیوالونکی سرپرستی اور حمایت کر رہی ہے۔ •

۸: ___ ایسے وقت میں ہمارے اوپر واجب ہوتا ہے کہ ہم بھی ان کی آشفتہ سری کا مداوائے پیہم کریں اور ان کی دریدہ دہنی کا دنداں شکن جواب دیں اور مادّہ پرست اور کورچشم دنیا کو بتائیں کہ اس محسنِ اعظم اور رہبرِ کامل نے

دنیا والوں کو کیا کیا دیا ہے اور انسانیت پر کیسے کیسے عظیم الشان احسانات و انعامات فرمائے ہیں۔؟ ___ آج ان خوشہ چینوں اور احسان فراموشوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ___ بتاؤ ___!

انقلابِ دہر کا روحِ رواں وہ کون تھا
باعثِ تخلیقِ ہستی، کُن فکاں وہ کون تھا
وہ کہ نازاں جس پہ تھا خود خالقِ عرشِ عظیم،
ایسا کامل اس جہاں میں اے زماں وہ کون تھا

ھاں! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمھاری یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق روحانیت سے ہے۔ تو اے نیچرّیت کے پجاریو! ___ اور مادّیت کے پرستارو! ___ بتاؤ ___!

جس نے سکّانِ زمیں کو عشق کا پرچم دیا
نفرتوں کے دشت میں پھر گلستاں وہ کون تھا
جس نے کلیوں کو عطا کی آب و تابِ زندگی
بجلیوں کی زد پہ تھا جو باغباں وہ کون تھا
پتھّروں کے زخم کھا کر بھی دعائیں جس نے دیں
ایسا پھر شیریں سخن، شیریں زباں وہ کون تھا

بتاؤ ___!

۷۔ اس خزاں نصیب اور حرماں زدہ دنیا کو حیاتِ تازہ کس نے بخشی ___؟ تڑپتی ہوئی انسانیت کی غمخواری کس نے کی؟ ___ نفرت کی آندھیوں میں

شمعِ اُلفت کس نے جلائی؟ مساوات کا علم کس نے بلند کیا؟ بتانِ رنگ و خوں پر تیشہ کس نے چلایا؟ اخوّت کی جہاں گیری کی بنا کس نے ڈالی؟ معصوم کلیوں کو مُسکرانے کا حق کس نے عطا کیا؟ مظلوم عورتوں کو باعزّت مقام کس نے دیا؟ گالیاں سُن کر دعائیں کس نے دیں؟ سنگ باروں کی ہدایت کے لیے کون تڑپا؟ انسانیت کے غم میں کون پگھلا؟ اپنے قاتل کی جاں بخشی کس نے کی؟ اور دشمنِ اعظم کے گھر کو دارالامان کس نے بنایا؟ —— بتاؤ اے ظالمو! بتاؤ!! —— " مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی؟ اعتقادیات میں توہّمات کے بجائے حق کی بنیاد کس نے ڈالی؟ —— سائنس میں فطرت پرستی کے بجائے تسخیرِ فطرت کا سبق کس نے دیا؟ علمی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی طرح کس نے ڈالی؟ سیاسیات میں شہنشاہیت کے بجائے عوامی حکومت کا راستہ کس نے دکھایا؟ سماج کی تنظیم کے لیے ظلم کے بجائے عدل کی بنیاد کس نے ڈالی؟ —— بتاؤ! —— خاموش کیوں ہو؟ —— ہاں میں جانتا ہوں تمھارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

سُنو! تاریخ شہادت دیتی ہے کہ "یہ تمام چیزیں انسانیت کو پیغمبرِ اسلام سے ملیں، آپؐ کے سوا کوئی نہیں جس کی طرف حقیقی طور پر —— ان کارناموں کو منسوب کیا جا سکے، دوسرے تمام انسان آپ کے انقلابی دھارے کو استعمال کرنے والے ہیں نہ کہ خود اس کو وجود میں لانے والے ¹" اور اے **لوگو!** —— مجھے یقینِ کامل اور اعتقادِ محکم ہے کہ جب تعصّب کی

¹ پیغمبرِ انقلاب۔

آندھیوں کا زور ٹوٹے گا، بغض وعداوت کے شعلے ٹھنڈے ہوں گے۔ جب انسانیت کو اپنے محسن کی تلاش ہوگی، جب انسان حقیقت کا متلاشی ہوگا تو اسے اسلام کی صداقت وحقانیت تسلیم کرنی ہوگی، اسے محسنِ اعظمؐ کے آستانۂ ناز پر جبینِ نیاز خم کرنی ہوگی، آپؐ کی خدمتِ اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کرنے ہوں گے، آپؐ کی ذاتِ بابرکت پر درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کرنی ہوں گی، اور کم از کم اتنا تو کہنا ہی ہوگا ؎

ہوں لاکھوں سلام اس آقا پر، دل لاکھوں جس نے جوڑ دیے
دنیا کو دیا پیغامِ سکوں، انسانوں کے رُخ موڑ دیے
اس محسنِ اعظمؐ نے الیاس، کیا کیا نہ دیا ہے عالم کو
دستور دیا، منشور دیا، کئی راہیں دیں کئی موڑ دیے

اور ہم شیدائیانِ نبوّت، اور فدائیانِ منبعِ رحمت وجودت کے لیے وہ نعت ہی کافی ہے، جسے عاشقِ صادق، ولیٔ کامل، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم میں پیش کرکے تمام عاشقینِ صادقین کے جذبۂ صادق کی نمائندگی کی ہے اور رُخِ حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے والہانہ انداز میں فرمایا ہے کہ: ؎

سب سے پہلے مشیّت کے انوار سے نقشِ رُوئے محمدؐ بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی بزمِ کون ومکاں کو سجایا گیا

وہ محمد بھی، احمد بھی، محمود بھی، ذاتِ مطلق کا شاہد بھی مشہود بھی،
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی، ظاہراً اُمیوں میں اٹھایا گیا

اس کی رحمت ہے بے حد و بے انتہا، اسکی شفقت تخیل سے بھی ماورا،
جو بھی عالم جہاں میں بنایا گیا اس کی رحمت سے اس کو سجایا گیا

حشر کا غم ہو قاسم مجھے کس لیے، میرا آقا ہے وہ میرا مولیٰ ہے وہ
جس کے دامن میں جنّت بسائی گئی، جس کے ہاتھوں سے کوثر لٹایا گیا

اور

طارق ابنِ ثاقب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ بیمثال کو اپنی نعتِ مبارک کے ایک شعر میں یوں پیش کیا ہے

خون تشبیہ نچوڑوں بھی تو حاصل کیا ہے؟
تجھ سا کوئی نہ تھا کوئی نہیں آنے والا،

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

Scanned by CamScanner

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم
جو چلے تو جاں سے گزر گئے

جنگِ آزادی

اور

علماءِ ہند

یہ تقریر ۱۴۱۰ھ میں بزمِ سجاد کے افتتاحی تقابلی اجلاس (بمقام دارالحدیث تحتانی) میں کی گئی۔ جلسہ کی صدارت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حسین احمد نے فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ۔ وَقَالَ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں ــــــــ اپنی آستینوں میں

(اقبال علیہ الرحمۃ)

بہار آئی اگر گلشن میں تو کس کام کی آئی
نشیمن شاخ پہ باقی رہا نہ دل ہی سینوں میں

(تابش جہاں آبادی)

Scanned by CamScanner

محترم حضرات اور صدرِ جلسہ !!

ء۔۔۔آج میں ان یارانِ باصفا، شہیدانِ عشق و وفا، وارثانِ بلالؓ اور سراخیلِ آزادی کے تذکرے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کا قلب و جگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا، جن کے چہرے پر عزم و استقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں، جن کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار تھا، جنھوں نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے وقف کردی، جن کی ایک تاریخ ہے جن کی ایک داستان ہے، جنھوں نے ہر دور میں اسلام کی آبیاری کی ہے اور چمنستانِ اسلام کی طرف بڑھنے والی ہر بادِ سموم کی راہ میں دیوارِ آہنی بن کر حائل ہو گئے ہیں۔

حضرات! اس چمنستانِ عالم کا پتہ پتہ اور بوٹہ بوٹہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ طبقہ ان اصحابِ فکر و نظر اور وارثانِ قلب و جگر کا طبقہ ہے جنھوں نے تاریخ کے ہر نازک موڑ پر اس امت کی راہنمائی اور دستگیری فرمائی ہے یہ ان یارانِ باصفا اور شہیدانِ عشق و وفا کا قافلہ ہے جنھوں نے ہر دور میں باطل کا مقابلہ کیا ہے۔ جب بھی باطل نے حق کو چیلنج کیا ہے انھوں نے اسکے چیلنج کو قبول کیا ہے اور سربکف میدان میں آنکلے ہیں اور جم کر پوری بے خوفی سے باطل کا مقابلہ کیا ہے۔ ٧: ۔۔۔ انھوں نے جانیں تو دیدیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی، انھوں نے سر تو کٹا دیا مگر پرچمِ اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ جب جلّاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو انھوں نے مسکرا کر نظر سے نظر ملائی اور پھر یہ کہتے ہوئے مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھدیا۔

فَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ فِي اللّٰهِ مَصْرَعِيْ

یعنی

خوشا وقتیکہ میری موت ترے کوچے میں آجائے
یہی تو زندگی کا آخری ارمان ہے ساقی

عرضیکہ انھوں نے ہر محاذ پر باطل کا مقابلہ کیا اور ہر طرح سے مقابلہ کیا ضرورت پڑی تو گولی چلائی، ضرورت پڑی تو تلوار چلائی، تلوار پھینکی قلم اٹھا لیا ضرورت پڑی تو اپنی شعلہ نوائیوں سے طوفان تند و تیز سرکش و بے باک کا کام لیا اور جب ضرورت پڑی تو قوم کے ننھے ننھے نونہالوں کی تربیت و اصلاح فرما کر باطل کے لیے دیوار آہنی اور فولادی لشکر بنا دیا۔ آج میں انھیں جیالوں اور سرفروشان اسلام کی تھوڑی سی تاریخ اور ادنیٰ سی جھلک دکھانا چاہتا ہوں کہ انھوں نے جنگِ آزادی میں کیا کارنامہ —— انجام دیا ہے اور انکا کیا مقام رہا ہے۔

محترم حضرات! جب ہندوستان کی مقدس سرزمین پر انگریزوں کا ناپاک سایہ پڑا اور وہ اپنی شاطرانہ و عیارانہ چالوں سے یہاں کے مالک بن بیٹھے جب باشندگان ہند پر طرح طرح کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ جب ہندوستانیوں کو غلام بنایا جانے لگا۔ جب ہندوستانیوں کا خون ان کے پسینوں سے بھی ارزاں ہونے لگا تو ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے جس شخص نے علم بغاوت بلند کیا وہ محدث کبیر امام جلیل رئیس الاولیاء

Scanned by CamScanner

فخرِ چمن، محرمِ فن، نازشِ وطن شاہ عبدالعزیز ابن ولی اللہ محدث دہلوی ہیں یہ وہی مردِ مجاہد، درویشِ خدا ہے جس نے وقت سے بہت پہلے مسلمانوں کے نصب العین کا اعلان فرمادیا تھا، جہاں تک پہنچنے کے لیے دوسروں کو ابھی برسہا برس انتظار کرنا تھا۔

شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ کیا تھا گویا ایک برقِ بے اماں تھا جو دشمنوں کے نخلِ تمنّا پہ گر پڑی، انگریزوں کی نیند حرام ہوگئی، جگہ جگہ آزادی کے شعلے بھڑکنے لگے، جگہ جگہ آزادی کے پرچم لہرانے لگے، سینوں میں دلولے مچلنے لگے اور حوصلوں نے انگڑائیاں لینی شروع کردیں۔

۸ مسندِ درس پر بیٹھ کر قرآن وحدیث کے درس دینے والے علمائے کرام، خانقاہوں میں بیٹھ کر اپنے خونِ جگر سے شمعِ اسلام روشن کرنے والے مشائخِ عظام اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کو چھوڑ کر میدان میں آگئے اور فرنگیوں کے خلاف محاذ بنا کر منزل کی جانب بے سروسامانی کے عالم میں نکل پڑے اور ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کے مصداق بن گئے۔

۷۔ **حضرات!** یہ کارواں طویل مسافت طے کرتے ہوئے کس طرح منزلِ مقصود تک پہنچا۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ اس داستان میں امنگیں بھی ہیں اور محرومیاں بھی، عزم وعمل کا جوش وخروش بھی ہے اور شکست خوردگی اور بے چارگی کی افسردگی بھی، جنونِ شوق کی آشفتہ سری بھی ہے اور گردشِ دوراں کی کج روی بھی۔ اس طویل مسافت کو طے کرتے

Scanned by CamScanner

ہوئے ان کے پاؤں مسلسل لہولہان ہوتے رہے، ہزاروں اور لاکھوں کا وجود غبارِ راہ بن کر اڑ گیا، کبھی جبر و تشدد کی خاردار جھاڑیوں نے ان کے دامن کو تار تار کیا، کبھی وحشت و بربریت کے پہاڑ ان کی راہ میں حائل ہو گئے مگر اس بزمِ جنوں کے دیوانوں نے ہمت نہیں ہاری حادثات و مصائب سے ٹکراتے ہوئے منزلِ مقصود کی جانب بڑھتے رہے۔

راستے کی قربت و دوری سے بے فکر، طمانیتِ قلب و جگر سے مستغنی، پریشانیِ افکار کے احساسات سے بے نیاز، خطرات و وساوس کی گرفت سے بے پروا منزلِ مقصود کی تلاش میں کبھی عرب و ترکی کی راہوں کو ناپتے ہیں تو کبھی روس و افغان کی بادیہ پیمائی کرتے ہیں، کبھی مالٹا کی کوٹھریوں میں قیام کرتے ہیں تو کبھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر نغمۂ آزادی سناتے ہیں۔ کبھی پھانسی کے پھندوں کو چوم کر منزل کا نشان پوچھتے ہیں تو کبھی ریوالور کی لبلبی پر انگلی رکھ دیتے ہیں کہ شاید گولیوں کی سنسناہٹ ہی منزل کا پتہ بتا سکے غرضیکہ ان دیوانوں نے ہر راہ سے منزل تک پہنچنے کی کوشش کی اور پہنچ کر ہی دم لیا۔ تاریخ ہند ہم سے کہتی ہے ؎

اس بزمِ جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے محفل تک
بے تابی ان کی عام ہوئی صحراؤں سے لیکر ساحل تک
ہاں سنگِ گراں پہ لکھتے تھے وہ اپنے دلِ ناداں کا حال
شاید کہ تلاشِ مقتل میں کوئی پہنچے پھر قاتل تک

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ اگر ہندوستان کی جنگِ آزادی میں

علمار حصّہ نہ لیتے تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا۔ اگر یہ سرخیلِ آزادی نہ ہوتے تو تحریکِ آزادی نہ چلتی، تحریکِ بالاکوٹ نہ چلتی، تحریکِ ریشمی رومال نہ چلتی تحریکِ خلافت نہ چلتی، ہندوستان چھوڑو تحریک نہ چلتی، مقدمۂ وہابیان نہ چلتا، انبالہ سازش کیس نہ بنتا الغرض علمار کرام ہی نے اپنے خونِ جگر سے عروسِ آزادی کی حنابندی کی ہے اور اپنے مقدّس لہو سے شجرِ آزادی کو سینچا اور پروان چڑھایا ہے۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دو محاذ بنائے گئے، ایک محاذ انبالہ پر جس کی قیادت مولانا جعفر تھانیسری کے پاس تھی، دوسرا محاذ شاملی پر جس کی قیادت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پاس تھی۔ اس جنگ میں بڑے بڑے علمار وصلحار شہید و زخمی ہوئے اسی جنگ میں مولانا نانوتوی زخمی ہوئے، اسی جنگ میں حضرت گنگوہی زخمی ہوئے اسی جنگ میں حافظ ضامن شہید ہوئے۔ اس ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علمارِ کرام تھے" صرف دہلی میں پانچ سو علمار کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکا دیا گیا۔

بہرحال جب اس جنگ میں وسائل کی قلت اور اپنوں کی غدّاری کی وجہ سے فرنگیوں کا غلبہ ہوا تو وائسرائے برطانیہ نے اپنے ہندوستانی مشیروں سے رائے طلب کی کہ بتاؤ ہندوستان میں تمہاری حکومت کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ تو ہندوستان میں رہنے والے سب سے بڑے سیاست داں ڈاکٹر ولیم یور نے جو رپورٹ پیش کی اسمیں لکھتا ہے کہ:

"ہندوستان میں سب سے زیادہ بیدار مسلمان ہیں اور جنگ آزادی صرف مسلمانوں نے لڑی ہے۔ مسلمانوں میں جب تک جذبۂ جہاد موجود ہے اس وقت تک ہم لوگ ان پر حکومت نہیں کر سکتے اس لیے جذبۂ جہاد کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اور جذبۂ جہاد ختم کرنے سے پہلے ایک اور چیز کا ختم کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان سے علماء اور قرآن کو ختم کر دیا جائے"

چنانچہ ۱۸۶۱ء میں تین لاکھ قرآنِ کریم کے نسخے بدبخت انگریزوں نے جلائے اور اس کے بعد علماء کے ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگریز مورخ مسٹر ایڈورڈ ٹامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ "۱۸۶۴ء سے لیکر ۱۸۶۷ء تک انگریز نے علماء کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تین سال ہندوستان کی تاریخ کے بڑے المناک سال ہیں۔ ان تین سالوں میں انگریز نے چودہ ہزار علماء کو تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

۷:۔ ٹامسن کہتا ہے کہ دلی کی چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر علماء کی گردنیں نہ لٹکی ہوئی ہوں ۔۔۔ ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کے جسموں کو تانبے سے داغا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو سوٗروں کی کھالوں میں بند کر کے جلتے ہوئے تنوروں میں ڈالا گیا ۔۔ ٹامسن کہتا ہے کہ علماء کو ہاتھیوں پر کھڑا کر کے درختوں سے باندھ کر ہاتھیوں کو نیچے سے چلا دیا گیا، ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کی شاہی مسجد جس کے صحن میں انگریز نے پھانسی کا پھندا بنایا تھا اس میں ایک ایک دن میں اسّی اسّی علماء کو پھانسی دیجاتی تھی

Scanned by CamScanner

ٹامسن کہتا ہے کہ لاہور کے دریا راوی میں اسّی اسّی علمار کو بوریوں میں بند کر کے ڈال دیا جاتا اور اوپر سے گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا۔ ٹامسن کہتا ہے کہ جب میں دلی میں اپنے خیمہ میں گیا تو مجھے مُردار کی بدبو محسوس ہوئی، میں خیمہ کے پیچھے چلا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آگ کے انگارے دہک رہے ہیں اور ۴۰ علمار کو کپڑے اتار کر ان انگاروں پر ڈال دیا گیا ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے چالیس اور علمار کو بلایا گیا میرے سامنے ان کے کپڑے اتارے گئے انگریز نے کہا مولویو! جس طرح ان چالیس کو پکایا گیا ہے اسی طرح تمھیں بھی پکا دیا جائے گا۔ تم صرف ایک آدمی یہ کہہ دو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہم شریک نہیں تھے، ابھی چھوڑ دیتے ہیں ــــ ٹامسن کہتا ہے کہ مجھے پیدا کرنے والے کی قسم کوئی عالم ان میں ایسا نہیں تھا سارے کے سارے آگ میں پک گئے مگر انگریز کے سامنے کسی نے بھی گردن نہیں جھکائی"۔

حضرات! انھیں شیرانِ اسلام اور سرفروشانِ خیر الانام کے سچے جانشین اور حقیقی وارث شیخ الہند اور شیخ الاسلام اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک آزادی کے سرخیل اور کمانڈر یہی حضرات تھے۔ آج یہ لوگ دنیا بر تاریخ میں اسیرانِ مالٹا کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ وہی شیخ الہند ہیں جنھوں نے انگریزوں کے خلاف ایک عالمگیر تحریک چلائی تھی کہ عقل انسانی حیران و ششدر رہ جاتی ہے اور ان کی زود فہمی و دور بینی پر قیادت و سیادت سر دھنتی ہے یہ شخص قد و قامت کے اعتبار سے قوی الہیکل و عظیم الجثہ تو نہ تھا مگر اپنے دور کے

Scanned by CamScanner

تمام سیاسی قائدین کا امام اور مذہبی رہنماؤں کا مقتدا تھا وہ منبعِ حرّیت اور پیکرِ خلوص وو فا تھا جو ایک طرف آزادی کے جوش وخروش اور جذبۂ ولولہ سے لوگوں کے قلوب کو معمور کر رہا تھا تو دوسری طرف قال اللہ اور قال الرسول کا جامِ خوشگوار تشنگانِ علومِ نبوّت کو اپنے دست مبارک سے بھر بھر کر پلا رہا تھا وہ درکف جامِ شریعت و درکفِ سندانِ عشق کا کامل و اکمل نمونہ تھا۔ اگر اس عظیم ہستی کی وہ عالمگیر تحریک جسے تحریکِ ریشمی رومال کے نام سے جانا جاتا ہے، کامیاب ہوگئی ہوتی تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ لیکن ؎

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

انھیں کے شاگردِ رشید حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ہیں جو شیخ الہند کے بعد تحریکِ ریشمی رومال کے سب سے بڑے لیڈر تھے تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلہ میں حضرت نے انھیں افغانستان روانہ کیا تھا تاکہ وہاں کی جوشیلی قوم کو انگریزوں کے خلاف متحد کر سکیں۔ جب مولینا افغانستان کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو ان کی ڈاڑھی نکل رہی تھی، مگر جب وہ روس وافغان کی بادیہ پیمائی کر کے لوٹے ہیں تو ان کی ڈاڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اور شیخ الہندؒ ہی کے سب سے چہیتے اور ہر دلعزیز شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ہیں جنھوں نے خلافت کانفرنس کراچی میں ایسے وقت میں شرکت کی کہ انھیں گولی مار دیئے جانیکا

Scanned by CamScanner

مکمل چکا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ حسین احمد نہیں آئے گا۔ مگر لوگوں کی آنکھیں اس وقت حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب وہ مردِ مجاہد "کفن بردوش" ہو کر اسٹیج پر آیا اور جلسہ کی صدارت فرمائی، اسی کانفرنس میں حضرت نے انگریزوں کو بلبل اور گولیوں کو گل سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ؎

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہیدِ ناز کی تربت کہاں ہے

راوی کہتا ہے کہ جب حضرت نے یہ شعر پڑھا تو لوگ جوش میں آدھے گھنٹے تک مسلسل نعرے لگاتے رہے اور پھر علماء کی قربانیوں اور اپنے ایک فتوی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انگریز کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ؎

کھلونا سمجھ کر نہ برباد کرنا
کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں
فرنگی کی فوجوں میں حرمت کے فتوے
سرِ دار چڑھ کر بھی گائے ہوئے ہیں
وہ شجر آزادی کہ خوں دے کے سینچا
تو پھل اس کے پکنے کو آئے ہوئے ہیں

لیکن آہ!

کتنی بربادی مقدر میں تھی آبادی کے بعد
کیا بتائیں ہم پہ کیا گزری ہے آزادی کے بعد

حضرات! یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اس شجرِ آزادی کا پھل

ہمارے حق میں بہت ہی زیادہ تلخ ثابت ہوا، جس کی تلخی آج تک ختم نہیں ہوسکی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں ختم نہیں ہوسکے گی لیکن ہمیں بھی کوئی غم نہیں، ہمیں بھی کوئی افسوس نہیں، ہمیں بھی کوئی ملال نہیں۔ اگر یہ ظالم حکومت اپنے ظلم وستم سے باز نہیں آئی اور ہمارے حقوق کو یونہی پامال کرتی رہی تو اُسے بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم انہیں شیرانِ اسلام اور سرفروشان خیرالانام کے فرزند ہیں جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ بدل ڈالی تھی، ایک بار ہم بھی بدل کر دیکھیں گے کیونکہ ؎

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

حضرات!
یہ چرخِ نیلی فام اس بات پر شاہد ہے کہ ہم اگر آج بھی اپنے حقوق لینے پر آجائیں تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں اس عزم کی تکمیل سے نہیں روک سکتی، شرط یہ ہے کہ ہم پہلے خود کو اس کے لیے تیار کریں اور شکوہ وشکایت اور دستِ سوال دراز کرنے کے بجائے اپنے بازوئیں وہ طاقت اور سینوں میں وہ حوصلے اور حوصلوں میں اُن پیدا کریں کہ وقت کی خوفناک آندھیاں کترا کر گزرا کریں، اور اپنے اندر وہ خودداری وخوداعتمادی پیدا کریں کہ ہمارے ایک اشارہ پر بڑی سے بڑی طاقتیں اپنی کلاہِ شہنشہی ہمارے قدموں میں ڈال کر سرِ نیاز خم کریں اور ہماری مقدّس خواہشات وجذبات کی تکمیل کو اپنے لیے باعثِ عزّ وافتخار سمجھیں اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اس لیے کہ

ع جو ہو عزمِ سفر پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں۔

بہرحال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے بھی آزادی کے سرخیل علماء ہی رہے ہیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد مجاہدین آزادی کی قیادت برِّصغیر کے عظیم سپوت دارالعلوم کے فرزندِ اوّل شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندیؒ فرما رہے تھے۔ مولانا شاہین جمالی "دارالعلوم کی تاریخِ سیاست میں"، لکھتے ہیں:

"۱۹۲۰ء کے بعد آزادیٔ ہند کا دوسرا دور شروع ہوا اس دور میں دیوبند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کمان میں آزادی کی جنگ لڑتا رہا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد سیاسی رہنمائی کرتے رہے، ان حضرات کی رہنمائی میں ۱۹۳۰ء کی جنگ میں چودہ ہزار مسلمان جیل گئے اور پانچ سو دلاور سرحدی جوان شہید ہوئے اور آخری جنگ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا آخری گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن رخصت ہو گیا اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دور سے چل رہی آزادی کی تحریک اپنی منزلِ مُراد پانے میں کامیاب ہو گئی۔ اینگلو محمڈن بلاک کا ایک حصّہ ایک نئی سلطنت "پاکستان" قائم کر کے اس کا حکمران بن گیا اور دیوبند کے آزاد بلاک کو ۸۰ فی صدی ہندوستان کی حکومت ملی اور دو بڑے لیڈر جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام ہندوستانی عوام کی آزادی اور جمہوریت کے محافظ اور ذمّہ دار ہوئے۔"

الغرض قصّہ مختصر یہ ہے کہ اگر جنگِ آزادی میں علماء کرام حصّہ نہ لیتے

تو یہ ہندوستان کبھی بھی آزاد نہ ہوتا۔ ان مقدس اور پاکیزہ ہستیوں نے ایسی ایسی بے مثال ولازوال قربانیاں دی ہیں کہ جن کی نظیریں پیش کرنے سے تاریخ اُمم عاجز وقاصر اور عقل انسانی حیران وششدر ہے اور آج ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے اسلاف نے ہندوستان کیساتھ وفاداری اور اس کے لیے جاں نثاری کے ایسے ایسے محیّرُ العقول ثبوت پیش کئے ہیں کہ ؎

انگشت بدنداں ہیں زمیں، چاند، ستارے

لیکن چونکہ انھوں نے یہ لڑائی شہرت و ناموری کے جذبات سے یکسر عاری ہو کر لڑی تھی اس لیے جب کاروانِ آزادی اور قافلۂ حُرّیت منزلِ مقصود تک پہنچا تو یہ میرِ کارواں اور سرخیلِ آزادی گوشۂ گمنامی میں جا کر بیٹھ گئے اور دنیا داروں سے کہدیا کہ جو شخص شہرت و ناموری چاہتا ہے وہ جائے اور اپنی خدمات کی مزدوری لے اور جگہ جگہ اپنے مجسّمے نصب کرائے۔ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ہم نے یہ لڑائی مزدوری لینے کے لیے نہیں لڑی ہے۔ اپنی قربانیوں کے صلے لینے کے لیے نہیں لڑی ہے۔ بلکہ ہم نے یہ جنگ اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کے لیے لڑی ہے۔ ہمارے ہندوستان کو ہمارے مجسّمے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس ہندوستان کا ؎

پتّہ پتّہ بُوٹہ بُوٹہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

Scanned by CamScanner

مگر اے لوگو! ہمیں ان مجاہدین کی یادوں کو زندہ رکھنا ہوگا، انکی بیمثال ولازوال قربانیوں سے اپنوں اور بیگانوں کو آشنا کرانا ہوگا' کیوں کہ ملک کے غدّاروں اور مسلم دشمنوں کی کوشش یہ ہے کہ ان عظیم مجاہدین کے کارناموں سے ہندوستانی عوام کو اندھیرے میں رکھّا جائے اور یہ تاثر دیا جائے کہ جنگِ آزادی مسلمانوں نے نہیں صرف ہندوؤں نے لڑی ہے اور وہ یقیناً اپنے اس ناپاک سازش میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں کیوں کہ آج خود ہماری نئی نسل ان بزرگوں کی عظیم قربانیوں سے یکسر ناواقف ہوچکی ہے — لہٰذا، اگر ہم ان مقدّس ہستیوں کے مجسّمے حرام ہونے کی وجہ سے نصب نہیں کرا سکتے تو کم از کم اُنکے نام پر ادارے اور لائبریریاں تو کھولی جاسکتی ہیں تاکہ ہماری جدید نسل اور آئندہ آنیوالی نسلیں ان بزرگوں کی جاں نثاری و جاں سپاری اور وطن کے ساتھ وفاداری کے حیرت انگیز واقعات کو فراموش نہ کرسکیں، اگرچہ ہمارے ان عظیم اسلاف نے زبانِ قال وحال دونوں سے کہدیا ہے ؎

نہیں منّت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری
اُٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

Scanned by CamScanner

طویل عمر ہے درکار اس کے پڑھنے کو
ہماری داستاں اوراقِ مختصر میں نہیں
——— • طارق بن ثاقب

دارُالعُلوم نے دُنیا کو کیا دیا؟

یہ تقریر بزم سجاد کے افتتاحی تقابلی اجلاس ربمقام دارالحدیث تحتانی) میں کی گئی جلسہ کی صدارت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ نے فرمائی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ غَرَسَ لَنَا شَجَرَۃً طَیِّبَۃً اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِنَا الَّذِیْ بَنٰی لَنَا بَیْتًا صِیْتُھَا فِی الْاٰفَاقِ وَالْاَنْحَآءِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ النُّجَبَآءِ ——— اَمَّا بَعْدُ !

اس بزمِ جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوارِ چمن سے زنداں تک
سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو
(مولانا ریاست علی ظفر)

حضراتِ سامعین اور صدرِ جلسہ !!

میں حیران و پریشان بلکہ نادم و پشیمان ہوں کہ اس مختصر سے وقت میں ایسے عظیم الشان وسیع و بسیط موضوع پر کس طرح گفتگو کروں، سمجھ میں نہیں آتا کہ داستان کا آغاز کہاں سے کروں اور کیسے کروں ؟ اس کی کن کن خوبیوں کو بیان کروں اور کن کن خصوصیات کو نظر انداز کردوں، اس کی علمی سرگرمیوں کا تذکرہ کروں یا اس کے مجاہدانہ کارناموں کی روداد سناؤں، اس کی تحریری دفتروں کی سیر کراؤں یا اس کی تقریری فضاؤں میں پرواز کراؤں، اسکے

خلوص ووفا کی داستانیں سناؤں، یا اس کے جنونِ شوق کی آشفتہ سری دکھاؤں، آزادی کے واسطے اس کی ناقابلِ فراموش اور لازوال قربانیوں کا تذکرہ کروں یا حفاظتِ دین کے لیے اس کے بے مثال عزم واستقلال کے حیرت انگیز واقعات بیان کروں۔ غرض۔ ع

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑوں داستاں کیسے ؟ حالانکہ ؎

ہزاروں نغمے وفا کے انکی، لبوں پہ آکر مچل رہے ہیں
لبوں پہ لیکن لگے ہیں پہرے تو بن کے آنسو نکل رہے ہیں
زباں ہے ساکت، قلم ہے حیراں، بتاؤں کیسے میں رازِ پنہاں
کہ بحرِ غم میں اٹھا ہے طوفاں تو دریا دریا دہل رہے ہیں

حضرات! بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ دارالعلوم نے دنیا کو کیا دیا؟ بھلا بتاؤ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میرے دوستو! اگر پوچھنا ہی تھا تو یہ پوچھتے کہ دارالعلوم نے دنیا کو کیا نہیں دیا!

تو میں کہتا دارالعلوم نے دنیا کو الحاد وبے دینی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو بے ضمیری وابن الوقتی اور ایمان فروشی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو بے حیائی وبے شرمی نہیں دی۔ دارالعلوم نے دنیا کو بے غیرتی وبے مروّتی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو خود غرضی ومفاد پرستی نہیں دی دارالعلوم نے دنیا کو جی حضوری اور چاپلوسی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو پست حوصلگی اور بزدلی نہیں دی، دارالعلوم نے دنیا کو نفرت وعداوت نہیں دی۔ بلکہ وہ تو ہر دور میں نغمۂ مہر ووفا گاتا رہا، وہ ہر زمانے میں

Scanned by CamScanner

گردشِ دوراں کی سنگینی سے ٹکراتا رہا، وہ قدم قدم پر گم کردۂ راہ لوگوں کو توحید کا جامِ باصفا پلاتا رہا۔ وہ ہر عہد میں شافعِ کون ومکاں کی راہ دکھلاتا رہا وہ ہر دور میں سُنّتِ خیر الوریٰ کے زمزمے گاتا رہا، وہ ہر عہد میں پرچم اسلام کو بتکدوں کی چہار دیواری پر لہراتا رہا اور پیغامِ خداوندی کو چہار دانگ عالم میں پھیلاتا رہا۔

گرچہ بارہا فلک نے اسے آنکھیں دکھائیں، پیرِ گردوں نے پتھر اُچھالے گردشِ دوراں نے آلام ومصائب کے تیر برسائے، باغبانِ وقت نے رنج ومحن کے کانٹے چُبھائے، امواجِ حوادت نے بحرِ غم میں غوطے کھلائے، مگر اس جوشِ جنوں کے دیوانہ، پیکرِ آشفتہ سری اور سودائے عشق کے خریدار نے ان تمام سنگینیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ؎

ترے عشق میں، میں نے کوہِ غم، سر پہ لیا جو ہو سو ہو
وہ عیش ونشاطِ زندگی، چھوڑ دیا ـــــ جو ہو سو ہو
اے طوفانِ تُند وتیز جاؤ ہمیں سمجھاؤ مت
کہ بحرِ غم میں دل کا سفینہ ڈال دیا ـــ جو ہو سو ہو

۷ا؎ اُو ہم سے ہمارے دارالعُلوم کے کارنامے اور داستانیں معلوم کرنے والو! میں تمھیں کیا کیا بتاؤں اور کہاں تک بتاؤں ؟ ـــ جاؤ، اگر تم سے ہو سکے تو ہماری داستان افرنگ کے برپا کیے ہوئے طوفانوں سے پوچھو، ہماری داستان بالاکوٹ کی پہاڑیوں سے پوچھو، ہماری داستان شاملی کے میدانوں سے پوچھو، ہماری داستان، چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کے

Scanned by CamScanner

درختوں سے پوچھو، ہماری داستان، دہلی کی جامع مسجد اور لاہور کی شاہی مسجد کے در و دیوار سے پوچھو، ہماری داستان دریائے راوی کی خشمگیں موجوں سے پوچھو، ہماری داستان افغانستان کی سربلند پہاڑیوں سے پوچھو، ہماری داستان روس و ترکی کی بر فیلی چٹانوں سے پوچھو، ہماری داستان عرب کے تپتے ہوئے ریگزاروں سے پوچھو، ہماری داستان ویران فضاؤں کے چاند تاروں سے پوچھو، ہماری داستان گلشن کی سُرخ بہاروں سے پوچھو، ہماری داستان سلاسل کی جھنکاروں سے پوچھو، ہماری داستان زنداں کی تاریکیوں سے پوچھو، ہماری داستان مالٹا کی تاریک کوٹھریوں سے پوچھو، ہماری داستان عدالت کے کٹہروں سے پوچھو، ہماری داستان پھانسی کے پھندوں سے پوچھو۔ یہ تمام کے تمام ہماری مہر و وفا کی داستانیں سنائیں گے ہمارے دیرینہ تعلقات و شناسائی کے قصے بیان کریں گے اور ہمارے خلوص و وفا کے نغمے سنائیں گے۔ کیونکہ ؎

واقف تو ہیں اس راز سے یہ دار و رسن بھی
ہر دور میں تکمیلِ وفا ہم سے ہوئی ہے

لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ دارالعلوم نے دنیا کو کیا دیا؟ میں دنیا والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ بتاؤ دنیا کو شیخ الہند جیسا امام القائدین کس نے دیا، دنیا کو انور شاہ جیسا فخر المحدثین کس نے دیا، دنیا کو اشرف علی تھانویؒ جیسا مفکر و مدبرؒ کس نے دیا، دنیا کو کفایت اللہؒ جیسا مفتی اعظم کس نے دیا۔ دنیا کو علامہ عثمانی جیسا خطیب کس نے دیا، دنیا کو مناظر احسن

گیلانی جیسا بے مثال ادیب کس نے دیا، دنیا کو حضرت حسین احمد مدنی جیسا پیکرِ صدق وصفا کس نے دیا اور دنیا کو حکیم الاسلام جیسا تصویرِ خلقِ عُلیٰ کس نے دیا؟

اُولٰئِکَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِھِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

حضرات! کیا یہ ایک روشن حقیقت نہیں ہے اور کیا یہ ایک تاریخی صداقت نہیں ہے کہ دارالعلوم کے مقدس بطن سے ایسی ایسی عظیم الشان اور بے مثال ہستیوں نے جنم لیا، جن کی شجاعت و بہادری کی قسم فاتحینِ اقوام کھاتے تھے، جن کی ہمت و مردانگی کی قسم سلاطین عالم کھاتے تھے۔ جن کی بے نفسی و بے غرضی کی قسم معصوم ملائکہ کھاتے تھے، جن کی عفت و پاکدامانی کی قسم محصون دوشیزائیں کھاتی تھیں۔؟

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ دارالعلوم کے مبارک شکم سے ایسی ایسی بے نظیر شخصیتوں کا ظہور ہوا جن کا قلب و جگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا جن کے چہرے پر عزم و استقلال کی کرنیں جلوہ فگن تھیں۔ جن کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار تھا جنھوں نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر دی تھی، جنھوں نے تاریخ کے ہر نازک موڑ پر اُمّتِ مرحومہ کی راہنمائی اور دست گیری فرمائی ہے، جنھوں نے ہر دور میں باطل کا مقابلہ کیا ہے جنھوں نے ہر زمانے میں شیطانی پنجوں کو مروڑا ہے جب بھی باطل نے سر ابھارا ہے وہ اس کے سروں پر صاعقۂ الٰہی بن کر گرے ہیں جب بھی کسی فرعونِ وقت نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا نعرہ بلند کیا اسی زمرہ جلالِ موسوی بن کر نمودار ہوئے ہیں

Scanned by CamScanner

جب بھی کسی نمرود نے اَنَا وَلَا غَیرِی کی صدا بلند کی ہے اسی لمحہ وہ خلیلِ بُت شکن کا دستِ بے باک بن کر ظاہر ہوئے ہیں، جب بھی باطل نے حق کو چیلنج کیا ہے انہوں نے اس کے چیلنج کو قبول کیا ہے وہ مردانہ وار سَر بکف میدان میں آنکلے ہیں اور جم کر پوری بے خوفی سے باطل کا مقابلہ کیا ہے، انہوں نے جانیں تو دے دیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی، انھوں نے سر تو کٹا دیا مگر پرچمِ اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا، انھوں نے سارے عالم میں اپنی شرافت و صداقت اور شجاعت و جلالت کا پرچم نصب کر دیا، اور برسرِ عام اعلان کر دیا کہ ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے ـــــ تو امتحاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

مُحترم حضرات! یہ امرِ واقعہ ہے کہ دارُالعُلوم کی ضربِ بے پناہ سے کوئی بھی طاغوتی لشکر محفوظ نہ رہ سکا اس نے ہر ایک شیطانی دستہ پر پوری شدّت سے وار کیا ہے۔

چنانچہ جب ہندوستان کی سرزمین پر دُزدانِ یورپ آئے ان کا مقابلہ کیا فرزندانِ تثلیث آئے ان کا مقابلہ کیا، پاسبانِ اصنام آئے ان کا مقابلہ کیا؛ غدّارانِ نبوّت آئے ان کا مقابلہ کیا، شاتمانِ رسولؐ آئے ان کا مقابلہ کیا۔ دشمنانِ صحابہ آئے، انکا مقابلہ کیا۔ اسیرانِ عقل آئے

Scanned by CamScanner

اُن کا مقابلہ کیا، محافظینِ بدعت آئے ان کا مقابلہ کیا، منکرینِ حدیث آئے ان کا مقابلہ کیا، مطعنینِ ائمہ آئے ان کا مقابلہ کیا، اور ہر طرح سے مقابلہ کیا ــــــ ضرورت پڑی تو گولی چلائی، ضرورت پڑی تو تلوار چلائی، تلوار پھینکی قلم اُٹھا لیا، ضرورت پڑی تو اپنی شعلہ نوائیوں سے طوفانِ تندو تیز اور سرکش و بے باک کا کام لیا اور جب ضرورت پڑی تو قوم کے ننھے ننھے نونہالوں کی تربیت و اصلاح فرما کر باطل کے لیے دیوارِ آہنی اور فولادی لشکر بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ فدائے مِلّت حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب کو کہنا پڑا ؂

شاد باش و شاد زی اے سرزمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
اسم تیرا با مسمّٰی، ــــــ ضرب تیری بے پناہ
دیوِ استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند
کفر ناچا جن کے آگے بار ہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند
تیری رجعت پر ہزار اقدام سو جاں سے نثار
قرنِ اولیٰ کی خبر لائی تری اُلٹی زقند

حضرات! آج جو برِّ صغیر میں تھوڑی بہت اسلامی چمک دمک دکھائی دے رہی ہے وہ دَارُالعُلُوم ہی کی دین ہے اور وہ دارالعلوم ہی کا فیضِ بے بہا ہے، ورنہ صاحبانِ عقل و نظر تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ

اگر سرزمینِ ہند پر دَارُالعُلوُم کی شکل میں احسانِ مصطفٰے نہ ہوتا تو خدا کی قسم آج یہ ہندوستان دوسرا اسپین بن گیا ہوتا، برّصغیر سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا انکی داستاں تک بھی داستانوں میں نہ ہوتی اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اور غلام ہندوستان کے دورِ جاہلیّت کو دیکھنے والے جانتے ہیں وہ آپ کو بتائیں گے کہ جس ہندوستان پر مسلمانوں نے ایکہزار سال تک حکومت کی تھی اس ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کو کس طرح نکالا جارہا تھا، کس طرح کفر وصلیب کی گھنگھور گھٹائیں پورے برِّصغیر پر چھارہی تھیں، کس طرح عیسائیت کا سیلِ تند و تیز قلعۂ اسلام کے در و دیوار سے ٹکرارہا تھا، کس طرح اسلامی شعائر وخصوصیّات کو مٹایا جارہا تھا، کس طرح دشمنانِ اسلام کی نگاہ حرص و ہوس ہماری مساجد و مدارس کی جانب اٹھی ہوئی تھی، قرآن اور علماء اسلام کو ختم کیا جارہا تھا اور کس طرح ظلم و جور کی خوفناک آندھیاں لوگوں کو دہشت زدہ کررہی تھیں۔

مگر چند مردانِ خدا کی گریہ وزاری اور بزرگانِ دین کی دعاء نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کام آہی گئی اور رحمتِ خداوندی کو جوش آہی گیا، پھر کیا تھا پھر اسی ظلمتِ شب اور تیرگیٔ کفر میں اسلام کا وہ نورانی شرارہ چمکا جو دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم پر چھاگیا، کفر وصلیب کی تاریکیاں چھٹنے لگیں طلسماتِ باطل کے پردے سرکنے لگے، سیلِ عیسائیت کا زور ٹوٹنے لگا اور دشمنانِ اسلام کی ناپاک امیدیں دم توڑنے لگیں۔

یعنی سرزمینِ دیوبند پر اسلام کا وہ عظیم الشان قلعہ تیار ہوا

جسے دیکھ کر تمام طاغوتی و ابلیسی طاقتیں سر بگریباں اور انگشت بدنداں رہ گئیں۔ کفر و صلیب کی چیخیں نکل گئیں صیہونی سازشوں کے دم گھٹنے لگے۔ دشمنانِ اسلام کے قلب و جگر شق ہونے لگے۔ اور پھر برّ صغیر کے اس عظیمُ الشان و رفیع المقام اسلامی قلعہ اور فوجی چھاؤنی سے ایسے ایسے مجاہد و جاں باز فوجی دستے تیّار ہوئے جنہوں نے اپنے سر فروشانہ اور مجاہدانہ کارناموں سے ملک و ملّت کو سر بلند و سُرخ رو کیا۔ مسلمانوں میں اسلام پر مر مٹنے کا جذبہ اور شوق پیدا کیا، لوگوں کے دلوں میں ایمانی حرارت و جوش پیدا کیا، ظلم و جور اور جبر و تشدّد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ انسانیت کو صحیح راستے پر چلنے کا شعور عطا کیا، سینوں میں مشعلِ حُرّیت جلائی جگہ جگہ جذبۂ آزادی کے شعلے بھڑکائے، سینوں میں حوصلے اور حوصلوں میں جان اور بلندی پیدا کی، کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا کیا، عروقِ مُردہ مشرق میں خونِ زندگی دوڑایا جس کے نتیجے میں وہ طوفانِ تند و تیز اور موجِ تند جولاں اٹھی کہ نہنگوں کے نشیمن تہ و بالا ہو کر رہ گئے، کاخِ استبداد اور قصرِ ظلم و ستم کے در و دیوار ہل کر رہ گئے ظلم و جور اور جبر و تشدّد کے شجرِ تلخ ثمر جڑ سے اُکھڑ گئے۔

غرضیکہ ان جانباز مجاہدین نے اپنے جوشِ اسلامی اور حرارتِ ایمانی سے چہار دانگِ عالم میں اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اطاعتِ رسول اللہ کا پرچم لہرا دیا۔ پورے برّصغیر میں جگہ جگہ اسلام و ایمان کی شمعیں جلائیں نوجوانانِ اسلام کو جذبۂ ایثار کی فضاؤں میں پرواز کرنے اور اوجِ ثریا پر کمندیں

Scanned by CamScanner

ڈالنے کی دعوتِ بے لوث دی، انہیں سمندروں میں کودنے اور طوفانوں سے ٹکرانے کا جذبہ عطا کیا، ساری دنیا کو پیغامِ صلح و آشتی دیا اور اپنی علمی و روحانی ضیا پاشیوں سے پورے عالمِ اسلام کو منور و تاباں کر دیا۔ اور آج بھی دنیا کا کوئی خطہ اور چپہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم کے تربیت یافتہ افراد موجود نہ ہوں جو آج بھی فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہونے والے آفتابِ نبوت کی ایمان افروز شعاعوں کو نہ پھیلا رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آج جو امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے ایوانہائے فرعونی و نمرودی میں موسوی گرج اور ابراہیمی گونج سنائی دے رہی ہے وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ دارالعلوم ہی کا فیض ہے اسی وجہ سے شورش کاشمیری کو کہنا پڑا کہ ؎

اس میں نہیں کلام کہ دیو بند کا وجود
ہندوستاں کی زمیں پہ ہے احسانِ مصطفٰی
اس مدرسہ کے جذبۂ عزت سرشت سے
پہنچا ہے خاص و عام کو فیضانِ مصطفٰی
گونجے گا چار کھونٹ اس نانوتوی کا نام
بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفٰی

والسلام

اے وقت! مجھ کو کھوکھلی دیوار مت سمجھ
صدیوں سے زلزلوں کے مقابل رہا ہوں میں

—— طارق ابن ثاقب

فاتحِ بیت المقدس

سلطان

صلاح الدین ایوبیؒ

یہ تقریر سنہ ۱۴۰۶ھ میں جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کے انعامی جلسہ میں کی گئی۔ جلسہ کی صدارت حضرت الاستاذ مولانا مجیب اللہ ندوی نے فرمائی۔

انقلاب آفریں تقریر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَالَ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الَّذِیْ اَخْبَرَنَا "لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ" (اَوْ كَمَا قَالَ) اَمَّا بَعْدُ!

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے ـــــ شرارِ بولہبی

اور

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

صَدرِ محترم اور عزیز ساتھیو!!

اس چمنستانِ عالم کا پتہ پتہ اور بوٹہ بوٹہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ کرۂ ارض ابتدائے آفرینش ہی سے حق و باطل کی رزم گاہِ خیر و شر رہی ہے۔ زمانۂ قدیم ہی سے خیر و شر کے معرکے بپا رہے ہیں، ہمیشہ سے ہی نور و ظلمت اور کفر و ایمان باہم دست و گریباں رہے ہیں۔ خدا کی اس سرزمین پر ایک سے ایک خوں آشام بے رحم فراعنہ و جابرہ پروان چڑھتے رہے ہیں، اس صفحۂ گیتی پر بڑے بڑے ظالم و جابر حکمرانوں نے اپنے ظلم و جور اور جبر و تشدد کی خونیں داستانیں لکھی ہیں۔

لیکن یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ جب بھی کسی فرعونِ وقت نے

"أنا ربكم الأعلىٰ" کا نعرہ لگایا اسی دم کوئی موسیٰ بھی نمودار ہوا، جب بھی کسی نمرود عصر نے "أنا ولا غیری" کی صدا بلند کی اسی لمحہ کسی خلیلِ بت شکن کا دستِ بے باک بھی ظاہر ہوا، جب بھی باطل نے حق کو چیلنج کیا حق پرستوں کی ایک جماعت نے آگے بڑھ کر اسکے چیلنج کو قبول کیا ہے وہ مردانہ وار سربکف و کفن بردوش ہو کر میدان میں آنکلے ہیں۔ اور خیلِ باطل وطاغوتی لشکر پر پوری شدت سے حملہ کیا ہے اور پھر دنیا والوں نے دیکھا کہ اس مٹھی بھر جماعت نے ایک عالم کو تہ وبالا کر دیا، بڑے بڑے ظالم و جابر، سرکش و مغرور اور ظلم و جبر کے نشہ میں چور شہنشاہوں کو اپنے قدموں پر جھکنے کے لیے مجبور کر دیا، انھوں نے پرستاران باطل اور شیطانی لشکر کو سمجھا دیا کہ ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ ہم وہ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن ہوتے ہیں جس سے تہ وبالا

اور ان یارانِ باصفا اور شہیدانِ عشق و وفا نے مرتے دم تک اپنے محبوب سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا جب جلاد چمکتی ہوئی تلوار لہراتے ہوئے آگے بڑھا تو انھوں نے مسکرا کر نظر سے نظر ملائی اور پھر یہ کہتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی ؎

مردِ حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

محترم حضرات! "خدا کی یہ سرزمین کسی بھی دور میں ان شہیدانِ عشق و وفا اور وارثان قلب و جگر سے خالی نہیں رہی ہے آج بھی کتنے یارانِ ---

باصفا و جرعہ خوارانِ بادۂ توحید ہیں جو اس رسمِ کہن کی تجدید میں مصروف ہیں ان میں سے کتنے ہیں جو اس راہِ عشق و وفا میں کام آچکے ہیں اور کتنے ہیں جو اسکے انتظار میں بے تابی سے کروٹیں بدل رہے ہیں اور کتنے ہیں جو جامِ شہادت اپنے ہونٹوں سے لگا چکے ہیں اور کتنے ہیں جو اس کی تمنا میں جی رہے ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ۔

۸۔ حضرات! انھیں شیرانِ اسلام و سرفروشانِ خیرالانام اور بادۂ توحید کے متوالوں میں سے پاسبانِ حرم، صاحبِ عفو و کرم فخرالملّۃ والدّین سلطان صلاح الدّین ایوبیؒ بھی ہے۔ چنانچہ جب قبلۂ اوّل پر عَلَمِ صلیبی ۹۰ سال سے اپنی خونچکاں داستان اور ظلم و بربریّت کا اعلان کر رہا تھا۔ اور پاسبانِ اسلام خوابِ غفلت میں مدہوش تھے۔ جب عالمِ اسلام پر کفر و شرک کی گھنگھور گھٹائیں چھا رہی تھیں اور کفر و صلیب کا طوفانِ تند و تیز قلعہ اسلام کے در و دیوار سے ٹکرا رہا تھا، جب حرم کی مقدّس سرزمین پر دشمنوں کی نگاہِ حرص و ہوس اٹھی ہوئی تھی اور شیطان کے پرستاروں نے سرزمینِ حرم کو اپنے ناپاک قدموں سے آلودہ کرنا چاہا تھا، جب باطل پرست حکومتیں مسلمانوں کو مٹانے کے لیے ارضِ عرب کو تہ و بالا کر دینے کا تہیّہ کر چکی تھیں اور جب صلیبیوں نے عالمِ اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپّہ چپّہ میں تخریب کاری اور زمین دوز کارروائی کا ایسا جال بچھا دیا تھا جس میں اکثر مسلم امرا[1] اور وزرا تک پھنس کر رہ گئے تھے۔

[1] نقوشِ راہ

تو ایسے نازک وقت میں خداوندِ عظیم نے اپنے ایک ایسے پرستار کو حرم کی پاسبانی اور قبلۂ اوّل کی آزادی کے لیے منتخب فرمایا جس کا قلب و جگر اسلام کی عظمت سے معمور تھا جس کا دل جذبۂ جہاد سے سرشار تھا، جس کے چہرے پر عزم و استقلال کی نورانی کرنیں جلوہ فگن تھیں، جس نے اپنی زندگی اسلام کی سربلندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنے تن من دھن کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

چنانچہ یہ عظیم مجاہد تیغ بکف اور کفن بردوش ہو کر دشمنوں کے ازدہام میں بے خوف و خطر گھس جاتا ہے اور پھر معرکۂ حق و باطل شروع ہو جاتا ہے۔ خدا کی ذات پر یقینِ کامل رکھنے والا یہ انسان جو ظلم و جور کی شہ رگ کو کاٹنے اور ناموسِ دینِ احمدؐ کے تحفظ کا تہیّہ کر چکا تھا۔ اپنی قلیل سی فوج کیساتھ ناقابلِ تسخیر پہاڑ بن جاتا ہے جس سے آہن پوش صلیبیوں کی فوج کے سیاہ بادل ٹکرائے تھے تو خون کی بارش سے میدان بھر جاتا تھا، تلواریں چمکتی تھیں تو سورج کی کرنیں زمین پر مچلتے ہوئے سانپ کی طرح لوٹ جاتی تھیں اور ڈھالیں بلند ہوتی تھیں تو میدانِ کارزار میں اندھیرا چھا جاتا تھا۔

لیکن اسلام کا یہ عظیم مجاہد اللہ کا جلال بن کر میدان میں آیا، کاخِ استبداد اور قصرِ ظلم و ستم کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا، اس کی چمکتی ہوئی تلوار نے آہن پوش سروں کو جسموں سے جدا کرنا شروع کر دیا۔ گھوڑوں کے سم خون سے رنگین ہونے لگے۔ انکی ضربِ بے پناہ سے لشکر باطل کائی کی طرح پھٹ جاتا تھا وہ فوج کے ایک سرے پر حملہ کرتے تھے اور دوسرے

Scanned by CamScanner

سرسے پرنکلتے تھے گویا ان کی تلوار ایک سفینہ تھی جو دشمنوں کے امنڈتے ہوئے لہو رنگ سمندر میں تیر رہی تھی اور دشمنوں کے سر جو ہوائے کبر و نخوت سے حباب کی طرح اُبھرتے تھے صرصرِ شمشیر کا تھپیڑا کھا کر ٹوٹ جاتے تھے۔

حضرات! حق و باطل کا یہ معرکہ دو چار دن نہیں، دو چار ماہ نہیں دو چار سال نہیں بلکہ خیر و شر کا یہ معرکہ ۳۰-۳۵ سال سے لڑا جا رہا تھا، کبھی بحر و بر میں، کبھی ہرے بھرے سبزہ زاروں میں، تو کبھی صحرا کے تپتے ریگزاروں میں کبھی دن کے اجالوں میں تو کبھی رات کی تاریکیوں میں ——— بالآخر، ہوا وہی جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ یعنی خدا نے اپنے کمزور و ناتواں بندوں کی مدد کی اور انھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ اور معبودانِ باطل کے پرستاروں کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور پھر دیکھنے والی نگاہوں نے جہاں یہ دیکھا کہ قبلۂ اوّل پر پرچم ہلالی ایک مرتبہ پھر اپنی پوری آن و بان اور شان سے لہرا رہا ہے وہیں یہ بھی دیکھا کہ اسلام کا وہ بطلِ جلیل جس کے نام سے وقت کے چنگیزوں کا خون رگوں میں منجمد ہو جاتا تھا۔ اپنی ماں سے بچھڑے ہوئے ایک کمسن بچہ کی طرح بیت المقدس کی چوکھٹ سے لپٹ کر سسک سسک کر رو رہا ہے۔

میرے محترم بزرگو اور عزیز ساتھیو!! خدا کے ایک بندے یہ بھی تھے جو اسلام کے عظمت و جلال کے تحفظ کے لیے اپنے وطن، ماں باپ، بھائی بہن اور بیوی بچوں سے ہزاروں میل دور دشت و جبل، صحرا و بیابان کی خاک چھانتے پھر رہے تھے، حرم کی پاسبانی اور اسلام کی سربلندی

Scanned by CamScanner

کی فکر نے اطمینان وسکون کا ایک سانس بھی میسّر ہونے نہیں دیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اگر ہم اس راہِ عشق و وفا میں کام آگئے تو پھر ہماری صورت کے آخری دیدار بھی ہمارے ماں باپ اور اہلِ وطن نہ کر سکیں گے اور ایسا ہوا بھی۔ ان میں سے کتنے تھے جن کی لاشوں اور ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چل سکا اور وہ بے گور وکفن خدا کے حضور جا پہنچے مگر ان کے جوشِ ایمانی اور حمیّتِ دینی نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ میرے جیتے جی اسلام کی طرف کوئی نظرِ بد سے دیکھے مگر یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اسلام کو جتنا اپنوں نے نقصان پہنچایا ہے اتنا کسی غیر قوم سے نہیں پہنچا۔ چنانچہ ان میں بھی ایک گروہ ان کا تھا جو مسلمان تھے مگر انھوں نے اپنا دین وایمان صلیبیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ایمان فروشی وحق پوشی ان کا شیوہ بن گیا تھا وہ اسلام دشمن مشنریوں اور صلیبیوں کے زرخرید غلام بن چکے تھے۔ وہ میدانِ کارزار سے منہ موڑ کر اور حرم مقدّس سے رشتہ توڑ کر اپنے حرم سرا میں صلیبیوں کی تربیت یافتہ وآبرو باختہ حسیناؤں سے دل بہلا رہے تھے بسا اوقات ان کا ضمیر انھیں ملامت بھی کرتا کہ "اے مسلمانو! تم میں بھی انھیں مجاہدین شیرانِ اسلام اور سرفروشانِ خیرالانام کا خون گردش کر رہا ہے، جنہوں نے حرم کی پاسبانی اور اللہ کے دین کی ناموس کے لیے اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا، اُٹھو! اور نخلِ باطل پر برقِ بے اماں بن کر گر پڑو! اور خیلِ باطل کو حیران وششدر کر دو! مگر یہ لوگ اپنے ضمیر کی آواز کا گلا گھونٹ کر ایمان فروشی اور خدا ورسولؐ سے غدّاری میں مصروف ہو جاتے اور کہتے ع بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اور انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایوّبیؒ پر کئی مرتبہ قاتلانہ حملہ کروائے۔ اس کے تحت حکومت کو الٹنے کی سازش کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً آتشِ بغاوت بھڑکاتے رہے مگر ہر مرتبہ "نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن" کا سنگِ گراں ان کی راہ میں حائل ہو جاتا تھا ——— چنانچہ خداوندِ قدّوس نے ہر مرتبہ پاسبانِ حرم کی پاسبانی کی، انکی شر انگیزیوں اور فتنہ بافیوں سے محفوظ رکھا۔ بڑے بڑے مؤرخین اور وقائع نگاروں کا کہنا ہے کہ اگر سلطان کو اپنوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ ہوتا تو بیت المقدس ہی نہیں بلکہ پورے یورپ پر اسلامی پرچم لہرا دیتا۔ مگر خود ایمان فروش نام نہاد مسلمان اس کے لیے مارِ آستین بنے رہے اور اسے طرح طرح سے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے رہے

محترم بزرگو اور دوستو !! اسلام کا یہ روشن آفتاب جو ۵۳۲ ہجری میں مقامِ تکریت میں طلوع ہوا تھا وہ ۵۸۹ھ میں اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک مقام پر غروب ہو جاتا ہے، عالمِ اسلام پر خوفناک تاریکی چھا جاتی ہے اور پھر ہر صاحبِ دل کی آنکھ اس بات پر چھلک پڑتی ہے کہ جس شخص کے قبضۂ و تصرّف میں پورا عالمِ اسلام تھا جب وہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے جن سے اس کا کفن خریدا جا سکے ——— اے سلطانِ صبر و غنا تجھ پر ہزاروں سلام اے پیکرِ عدل و وفا تجھ پر لاکھوں بار قربان، اے حرم کے پاسبان اللہ تیری تربت کو اپنے نور سے منور فرمائے (آمین)

لیکن آہ ! ایوبیؒ کی وہ کھیتی جس کو اس نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا

اور اپنے مقدّس لہو سے پروان چڑھایا تھا آج وہ ملعون اسرائیلیوں کے قبضہ و تصرّف میں آکر جھلس رہی ہے۔ ایوّبیؒ نے جس امانت کو ہمارے سپرد کیا تھا ہم اس کی حفاظت وصیانت نہیں کرسکے۔ آج پھر مسجد اقصیٰ خون کے آنسو رو رہی ہے اور کسی ایوّبی کے قدم کی آہٹ سننے کے لیے بے چین ومضطر ہے ـــــ اے قومِ مسلم! تو ابِ خوابِ غفلت سے بیدار ہوجا، اپنے کئے پر شرمسار ہوجا!! تو اپنے روٹھے ہوئے ماضی کو منالے اور ظلم وستم کے ہر شجرِ بے ثمر کو جڑ سے اکھاڑ پھینک، اور اس چمنستانِ عالم، گہوارۂ خزاں کو ایک بار پھر اپنے عدل وانصاف، صداقت ودیانت اور امانت کی روح پرور بہار سے آشنا کردے۔

محترم حضرات! بیت المقدس کا سقوط ایک تاریخی حادثہ ہی نہیں بلکہ عہدِ حاضر کے مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کا امتحان بھی ہے اور حمیّتِ دینی پر ایک تازیانہ بھی اگر ہم یونہی خاموش تماشائی بنے رہے تو یاد رکھیے وہ دن دُور نہیں جب معبودانِ باطل کے پرستاروں کے حوصلے مزید بلند ہوجائینگے اور ہمارے مقدّس ومتبرک مقامات ان ظالموں کے ظلم وستم سے محفوظ نہیں رہ پائیں گے۔

لہٰذا ایسے نازک وقت میں ہمارے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم بیت المقدس کی آزادی وبازیابی کے لیے اپنی جان اور اپنے مال ومتاع قربان کرنے کے لیے تیار ہوجائیں۔ اور اس حادثہ کی سنگینی وہلاکت سے نئی نسلوں کو آگاہ کرتے رہیں۔ تاکہ ان کے اندر بھی قبلۂ اوّل کی

Scanned by CamScanner

آزادی و بازیابی کے لیے وہی بے تابی، تڑپ اور جذبہ پیدا ہو جائے جو چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے زیرِ قیادت مسلمانوں کے اندر پیدا ہوا تھا۔

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے
جو رُوح کو تڑپا دے جو قلب کو گرما دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
(اقبالؒ)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قطعہ

وہ قوم ہی قائد ہے اور فاتح ہے جہاں میں
جس قوم کے اخلاق کی چلتی رہے تلوار
اُس قوم کی دُنیا میں نہیں کچھ بھی حقیقت
جس قوم کے کردار کا گھٹ جاتا ہے معیار

طارق ابنِ ثاقب

Scanned by CamScanner

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی میں سوزِ دروں

اقبالؒ

اسلام اور عظمتِ نسواں

یہ تقریر ۱۴۰۶ھ میں جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کے انعامی جلسہ میں کی گئی۔ جلسہ کی صدارت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی نے فرمائی

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَجَعَلَ لَهُنَّ مِثْلَ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الَّذِیْ قَالَ: اِنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِکُمْ ـــــ اَمَّا بَعْدُ!

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی میں سوزِ دروں

معزز سامعین اور صدر محترم!!

اسلام ہی دنیا کا وہ واحد اور مقدّس مذہب ہے جس نے حیاتِ انسانی کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ ہر جگہ مکمّل رہنمائی کی ہے، عبادت ہو یا سیاست، شادی ہو یا غم، مرنا ہو یا جینا، معاشرتی نظام ہو یا ازدواجی بندش غرضیکہ ہر جگہ وہ اپنی ایک ایسی یکتا و منفرد حیثیت رکھتا ہے جس سے دیگر ادیان و مذاہب تہی دامن ہیں۔

اسلام کو جن خصوصیّات کی بنا پر دنیا کا اعلیٰ و افضل کامل و اکمل دین یا مذہب ہونے کا شرف حاصل ہے ان خصوصیّات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے عورتوں کو سماج یا سوسائٹی میں ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر جو مقام عطا کیا ہے اس کی نظیر پیش کرنے سے تہذیبِ انسانی عاجز و قاصر اور عقلِ انسانی حیران و ششدر ہے ۷ یا تو عورتوں کو

دنیا کی ذلیل ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا یا اب انھیں کارخانۂ قدرت کا اعلیٰ ترین شاہکار تصوّر کیا جانے لگا، یا تو معصوم بچّیوں کو زندہ درگور کرنا فخر ومباہات میں شامل تھا یا اب انھیں توشۂ جنت سمجھ کر پروان چڑھایا جانے لگا، یا تو بیواؤں کو پتی کی چتاؤں پرستی ہونے کے لیے مجبور کیا جاتا رہا تھا یا اب ایک چالیس سالہ ابھاگن کو سہاگن بنایا جارہا ہے۔

الغرض اسلام نے اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی حالات کا رُخ موڑ دیا اور دم توڑتی ہوئی سوسائٹی میں ایسی رُوح پھونکی جس سے انسانیت کو دوبارہ زندگی نصیب ہوئی، ظالموں کو ظلم وستم جبر وتشدّد اور قتل وغارت گری سے روک دیا اور زخم خوردہ و دل شکستہ مظلومین نے اپنے وہ تمام حقوق حاصل کر لیے جن سے وہ عرصۂ دراز سے محروم تھے۔

ورنہ یہ چرخِ نیلی فام اور آفتابِ کہن سالہ اس بات پر شاہد ہے کہ خدائے ذوالجلال رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض مالکِ بحر وبر کی اس سرزمین پر ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے اس صنفِ نازک پر ایسے ایسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں جسے سُن کر روحِ انسانی کانپ جاتی ہے۔ اس کرۂ ارضی پر ایسے لوگ بھی بستے تھے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ”عورت“ کذب کی بیٹی ہے دوزخ کی رکھوالی ہے، امن کی دشمن ہے اور اسی کی وجہ سے آدمؑ نے بہشت کو چھوڑا تھا“ اور ایسے شاعر بھی تھے جو اپنے اشعار میں یہ کہا کرتے تھے کہ ”میں قدرت سے اس لیے برہم رہتا ہوں کہ اس نے اس کمینہ جانور یعنی عورت کو مردوں کے محاسن محو کرنے کے لیے کیوں پیدا کیا؟

اور ایسے پاگلوں اور عقل سے بیگانوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اس بات کےلیے میٹنگ اور مجلس منعقد کیا کرتے تھے کہ "کیا عورتوں میں بھی روح ہوتی ہے، اور کیا عورت بھی ایک انسان ہے ——— ؟؟

غرضیکہ طلوعِ اسلام سے قبل دنیا کا کوئی ایسا ظلم وستم نہیں تھا جو ان کے ساتھ روا نہ رکھا گیا ہو، ان مظلوم عورتوں کے لیے ہر نئی صبح ہلاکت وبربادی کا پیغام لاتی اور ہر نئی شام انھیں خون کے آنسو رلاتی، یعنی خدا کی یہ سرزمین اپنی تمام تر وسعت اور کشادگی کے باوجود ان مظلوم اور بے بس ہستیوں پر تنگ ہوکر رہ گئی تھی۔ لیکن جب مظلومین کی آہوں اور دل کے شراروں نے دامنِ رحمت کو تھام کر فریادیں کیں تو عرشِ عظیم تھرتھرا اٹھا رحمتِ خداوندی جوش میں آگئی اور ۸ پھر اس دنیا کے سیاہ پردے پر اس تاریخ ساز انسان کا ظہورِ پُرنور ہوا جو سارے جہاں کا دکھ درد اپنے دل کے نہاں خانوں میں سمیٹے ہوئے تھا جو ؎ "خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر"، کا حقیقی مصداق تھا، جو انسانیت کا غمخوار اور مظلوموں کا مددگار تھا، یتیموں کا والی اور غریبوں کا مولیٰ تھا۔

چنانچہ اس ذاتِ مکرم نے اپنے قلب وجگر کی گہرائی سے نکلے ہوئے الفاظ اور خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب کے ذریعہ حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بنا دیا، اونٹوں کو چرانے والے اور خوگرِ ظلم و ستم کو تہذیبِ انسانی کا ایسا اعلیٰ نمونہ بنا دیا جسے دیکھکر دنیا والے عش عش کر اٹھے۔ اس محسنِ انسانیت نے نہ صرف مردوں کو اشرف المخلوقات

Scanned by CamScanner

کا تاجِ زرّیں پہنایا بلکہ ان مظلوم و مکروب عورتوں کو ذلّت و رسوائی کے عمیق غار سے نکال کر بلندی کے اس مینار تک پہنچا دیا جس سے بلند و برتر ان کے حق میں کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا تھا۔

محترم بزرگو اور عزیز ساتھیو!! اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کو دیگرادیان و مذاہب نے کیا مقام عطا کیا ہے؟ ۔ اور اسلام نے انھیں بلندی کے کس مقام پر پہنچایا ہے؟ ۔ تو اگر آپ اس سلسلہ میں ائمۂ مسیحیّت سے سوال کریں گے تو جواب ملے گا "عورت ایک ناگزیر برائی ہے، ایک غارت گر دلربائی ہے، ایک آراستہ مصیبت ہے، عورت اور مرد کا تعلق بجائے خود ایک نجاست ہے اور قابلِ احتراز شے ہے۔"

اور اگر آپ ان مظلوم عورتوں کے متعلّق تاجِ یونان بانیٔ منطق و فلسفہ سقراط وافلاطون سے دریافت کریں گے تو جواب ملے گا "عورت ایک نہایت ادنیٰ درجہ کی مخلوق ہے اور تمام انسانی مصائب کی بڑ ہے اسے معاشرے میں عزّت کا کوئی مقام نہیں دیا جا سکتا ہے عزّت کا ہر مقام صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔"

۸۔ لیکن اگر آپ ان معصوم و مظلوم خواتین کے سلسلہ میں پیغمبرِ اسلام محسنِ اعظم، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کریں گے تو اگر آپ کی حیثیت شوہر کی ہوگی تو جواب ملے گا " وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ' وَخَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ " یعنی تمھاری بیویوں کا حق تمھارے اوپر ایسا ہی ہے جیسا کہ تمھارا حق ان کے اُوپر۔ اور تم میں ۔۔۔۔ بہترین

Scanned by CamScanner

شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو۔
اگر آپ کی حیثیت باپ کی ہوگی تو جواب ملے گا "مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔
یعنی بیٹی کا وجود تمھارے لیے ذلت و رسوائی کا سبب نہیں ہے بلکہ اس کی تربیت و پرورش تمھیں جنت کا مستحق بناتی ہے اور آتشِ جہنم کے سامنے دیوار بن کر حائل ہو جاتی ہے۔
اور اگر آپ کی حیثیت فرزند ارجمند کی ہوگی تو جواب ملے گا "اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ" یعنی جنت تمھاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ سُبْحَانَ اللہ کیا بلند و برتر، اعلیٰ و افضل مقام عطا کیا ہے۔●

حضرات! اسلام میں عورت کی حیثیت و اہمیت کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل سورت ہی عورتوں کے نام پر نازل فرمائی جس میں ان کے مسائل کو بالتفصیل بیان کیا ہے حالانکہ مردوں کے نام پر کوئی بھی سورۃ نازل نہیں ہوئی۔ اسی طرح اسلامی شریعت لڑکی کو اس وقت تک جب تک وہ سنِ بلوغ کو نہ پہنچ جائے والدین یا سرپرستوں ہی کے زیرِ نگرانی رکھتی ہے اور اسے میراثِ والدین کی حقدار بھی بناتی ہے اور برسرِ عام اعلان کرتی ہے وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ یعنی والدین کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصّہ ہے۔
علاوہ ازیں ازدواجی بندش میں بھی عورتوں کے اقرار و انکار

Scanned by CamScanner

پسند و ناپسند کو وہی اہمیت وہی حیثیت اور وہی مقام حاصل ہے جو ایک مرد کے اقرار و انکار اور پسند و ناپسند کو حاصل ہے۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے تو بیوی کو بھی یہ حق خُلَعْ کی شکل میں عطا کیا گیا ہے۔

اسی طرح اسلام نے مظلوم عورتوں کو مطعون و مقذوف کرنیوالوں سے صاف صاف کہدیا خبردار! بغیر چار گواہوں کے تم عورتوں کو ہرگز بدنام کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ کوڑے مار مار کر تمھارا دماغ درست کر دیا جائے گا کیونکہ بہت ستایا ہے تم نے اس غریب کو، بہت رُلایا ہے تم نے اس مظلوم کو، بہت بدنام کیا ہے تم نے اس مجبور کو اب یہ سب کچھ ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا، اب یہ کھیل ختم ہونا چاہیئے، اب یہ بیہودگی بند ہونی چاہیئے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے ستم رسیدہ رسوائے زمانہ، گردشِ دوراں کی ستائی ہوئی، دَر دَر کی ٹھکرائی ہوئی، اچھوت سمجھی جانے والی، زخموں سے چور، آہوں سے معمور، بے کس و مجبور عورتوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، انھیں سینے سے لگایا، ان کے زخموں پر مرہم رکھّا، اُن کے آنسوؤں کو پونچھا اُن کے دُکھ درد کو سمجھا، ان کے حقوق اور معاشرے میں انکی اہمیت و افادیت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

میں اقوامِ عالم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم نے بھی عورتوں کے دکھ درد کو اسی طرح محسوس کیا ہے؟ کیا تمھاری تہذیب نے بھی عورتونکو

Scanned by CamScanner

اتنا اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا ہے؟ ــــ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ اسلام ہی کا ظرف اور خصوصیّت ہے جس نے اس رسوائے زمانہ مخلوق کو اتنا اٹھایا کہ ہمدوشِ ثریّا کردیا، انھیں بلندی و برتری کے اس مقام پر فائز کردیا جس سے بڑا ان کے حق میں کوئی اور مقام نہیں ہوسکتا تھا۔

الغرض اسلام اخلاقی نقطۂ نظر سے عورت کو مختلف حیثیتوں اور زاویوں سے دیکھتا ہے اور ہر حیثیت سے جدا جدا احکام نافذ کرتا ہے۔ جیساکہ ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے بیان کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت بھی ایک انسان ہے اور انسان ہونے کے ناطے وہ صنف خاص میں داخل ہے۔ نیز یہ عورت ایک ایسا فرد ہے جو حیاتِ انسانی کا جزءِ لاینفک ہے۔ اور وہ اسی طرح انسان ہے جس طرح مرد انسان ہے۔ انسانیت کے خانے میں دونوں برابر ہیں کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں اور جو مردوں کو قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ کہا گیا ہے وہ اعراض ومقاصد اور سماج کی تشکیل وتنظیم کے اعتبار سے کہا گیا ہے اسی طرح حقوقِ انسانی میں دونوں یکساں ہیں۔ عورت اپنی ملکیت وسرمایہ کی مالک ومختار ہے، وہ اپنی مرضی کے مطابق تصرّف کرنے میں بااختیار ہے، عورت آقا بن کر بھی رہ سکتی ہے، اور غلام خرید کر آزاد بھی کرسکتی ہے اور اپنے اسلامی حقوق کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے۔

لیکن جہاں اسلام نے عورتوں کو اتنا اعلیٰ وارفع مقام عطا کیا ہے وہیں اُنہی کے فائدہ کے لیے، اُنہی کی بھلائی کے لیے، اُنہی کے حقیقی

Scanned by CamScanner

فائدہ کی حفاظت کے لیے یہ بھی کہا ہے کہ عورتیں اپنی عزّت وناموس، عفت و عصمت کا پورا خیال رکھیں۔ کسی بھی موقع پر کسی بھی لمحہ اس مقدس فریضہ سے غافل نہ ہوں اور آجکل کی پست اخلاق وعادات کی حامل لیلاؤں کے نقشِ قدم پر نہ چلیں کہ محفل عیش وعشرت میں بے نقاب ہوکر عریانیت کا شکار ہوجائیں۔ ان کی ردائے عفّت وعصمت تارتار ہو جائے اور وہ اس شعر کا مصداق بن جائیں کہ ؎

اس دَور کا ہر نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے، لیلےٰ نظر آتا ہے

اورظاہر ہے کہ آجکل دنیا میں جو اغوار، زنا بالجبر اور افشائے راز کے خوف سے گلا گھونٹ دینا اور ایسے ہی دیگر قسم کی بدترین اخلاقی برائیاں اور ہولناک سماجی تباہیاں جنم لے رہی ہیں ان میں اختلاطِ مردوزن اور خواتین کی بے پردگی کو بہت زیادہ دخل ہے۔ اگر لوگ قانونِ فطرت کی یونہی خلاف ورزی کرتے رہے، اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقدّس احکام کو ٹھکراتے رہے اور قانونِ اسلام سے بغاوت کرتے رہے تو یاد رکھیے!۔ اس کے نتائج بہت ہی بھیانک ہوں گے۔ اور ساری دنیا کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اور آج ساری دنیا جان چکی ہے کہ دورِ حاضر کی دوشیزائیں چراغِ خانہ کے بجائے شمعِ محفل بن کر اپنی عالم گیر کشش وجاذبیّت اور اپنی فطری دل کشی ونسوانیت کھوتی جارہی ہیں اور مردوں کے قلوب سے عورتوں کی عظمت وحرمت رخصت ہوتی چلی

Scanned by CamScanner

جارہی ہے جس کی وجہ سے ان کی حیثیت بالکل گرگئی ہے۔ اسی لیے نبّاضِ وقت نے عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ؎

جب تلک چہرہ پہ نقاب تھا کشش بھی تھی
تو نے یہ کیا غضب کیا لباس تک اتار دیا

ارے

حسن تو وہ ہے کہ بن دیکھے ہوں جس کے سب اسیر
دیکھ کر جلوہ ترا کوئی زیرِ دام آیا تو کیا

اسی لیے اسلام نے ان تمام خرابیوں کے پیشِ نظر خواتین کو پردہ جیسی عظیم نعمت اور بہترین سلاح عطا فرما کر ان کی عزّت و ناموس کی حفاظت و صیانت کی ہے، معاشرے کو تباہ و برباد اور سماج کو انتشار و انارکی اور نحوست و گندگی سے بچایا ہے، جنسی استحصال کا استیصال اور ہوا و ہوس کا سدِّباب کر کے خواہشاتِ نفسانی و شیطانی پر قدغن لگادی ہے تاکہ انسانیت اور عالمِ انسانیت کو ابدی سکون، قلبی راحت اور حقیقی مسرت حاصل ہو۔

بہر حال یہ ایک روشن حقیقت اور ناقابلِ انکار صداقت ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو حجاب جیسی نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے تو اس میں ان کے لیے کسی قسم کی ذلت و رسوائی کی بات نہیں ہے بلکہ یہ چیز ان کی عظمت شان و رفعت مقام کو ظاہر کرتی ہے کیوں کہ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ جو چیز قیمتی و گرانمایہ ہوتی ہے۔ لوگ اسے پنہاں و پوشیدہ رکھتے ہیں

Scanned by CamScanner

اور چونکہ عورت اسلام کی نظر میں بہت ہی قیمتی شئی ہے اس لیے اسے پوشیدہ ومخفی رکھنے کی ہدایت کی ہے۔

لہٰذا خواتین کو چاہیے کہ ان لوگوں کے بہکاوے میں ہرگز ہرگز نہ آئیں جن کی پیدائش ہی بے حیائی و بے غیرتی پر ہوئی ہے اور جو اسلام دشمنی میں پیش پیش ہیں۔ یہ لوگ عقل و دانش، سمجھ بوجھ، ذوقِ سلیم اور جذبۂ صادق جیسی عظیم دولت سے محروم ہیں۔ ان کے یہاں جنوں کا نام خرد اور خرد کا نام جنوں رکھدیا گیا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

دو شعر

حدوں سے اپنی گزر کر مرا شعور اگر
ابھارے سر تو اسے گردِ کارواں کردے

یہ آرزو ہے ملے دولتِ سحر گاہی
الٰہی مجھ کو عطا لذّتِ فغاں کردے

طارق ابنِ ثاقب

نعتِ پاک

تابشؔ جہاں آبادی

مجھے یاد آرہا ہے، ترا پاک آستانہ ❖ مرے دل پہ چھا رہا ہے وہی کیفِ عاشقانہ
کوئی اور ہو تو ہو وہ ترا آشنا نہیں ہے ❖ جو بدل نہ دے یہ دنیا جو بدل نہ دے زمانہ
تو ازل کا ہے تبسّم، تو ابد کا ہے ترنّم ❖ تو ہے دہر کا تکلّم، تری ذات معجزانہ
میں ہوں ظلمتوں کا پیکر تو ہے روشنی سراپا ❖ تری صبح، صبحِ نوری، مری شام کافرانہ
بڑی آرزو ہے آقا ترے در کو آکے چوموں ❖ ترے شہر میں کہیں پر میں بناؤں آشیانہ
ہے یہی مری تمنّا ہو عطا مجھے بصیرت ❖ تری ذات کو میں دیکھوں بنگاہِ عارفانہ

بڑی بات ہے اے تابشؔ جو ہو دل میں انکی الفت
ہے یہ منتہائے رفعت، ہے کمالِ مومنانہ

ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

مؤلف کا مستقل پتہ
شاہ حسن معرفت خالد حسن قاسمی، بھیکھن پور دھوئی پوسٹ انجور، ضلع جہاں آباد
بہار ۸۰۴۴۲۸

Scanned by CamScanner